توبہ! توبہ!

بے حیا

بے شرم

داڑھی والی دلہن

کاش میں عورت ہوتا

بے حیا

مزا مذی میں ہے

اغلام باز عرش پر

مزا ذکر میں نہیں بلکہ مذی میں ہے

توبہ!

توبہ!

بے شرم

لاحول ولاقوۃ

شہوت فاسدہ

بے شرم

توبہ!

شرم! شرم!

ہم جنسی تعلق

لواطت

استغفراللہ

بے حیا

لڑکی نہیں بلکہ لڑکے سے عشق

مذی نکلے گی، مزا آئیگا

توبہ!

بے حیا

بے شرم

پیرومرید مثل میاں بیوی

بے حیائی پر مشتمل گفتگو

بیوی کو بغل میں لیکر چومو، چاٹو

گستاخ رسول گروہ کے سیکسی ملّا

Gustakh-e-Rasool Giroh ke

SEXY MULLA

مُصنّف: مُناظرِ اہلِ سُنّت حضرت علّامہ عبدُالسّتّار ہمدانی مصروفؔ برکاتی نوری

مرکز أہل السّنّۃ برکات رضا

''مطالعۂ بریلویت'' کے جواب کے سلسلہ کی تیسری قسط

گستاخِ رسول گروہ کے

سیکسی مُلّا

GustaKhe Rasool Giroh ke

Sexy Mulla

-: مصنف :-

مناظر اہل سنت، ماہر رضویات، خلیفہ مفتی اعظم ہند،

علّامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' (برکاتی۔نوری)

-: ناشر :-

مرکز اہل السنۃ برکات رضا

امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ
پوربندر، گجرات (الھند)

نام کتاب	:	''گستاخِ رسول گروہ کے سیکسی ملّا''
مصنف	:	مناظر اہل سنت، ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' (برکاتی۔نوری)
کمپوزنگ	:	حافظ محمد عمران حبیبی مرکز اہل سنت برکات رضا - پوربندر (گجرات)
پروف ریڈنگ	:	مولانا واصف رضا۔ مدرس دارالعلوم غوث اعظم۔ پوربندر
سن طباعت	:	محرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق نومبر ۲۰۱۳ء
تعداد	:	۲۱۰۰/ (دوہزار، ایک سو)
ناشر	:	مرکز اہل سنت برکات رضا امام احمد رضا روڈ، میمن واڈ، پوربندر۔ (گجرات)

-: ملنے کے پتے :-

(1) Mohammadi Book Depot. 523, Matia Mahal. Delhi
(2) Kutub Khana Amjadia. 425, Matia Mahal. Delhi
(3) Farooqia Book Depot. 422/C Matia Mahal. Delhi
(4) Maktaba-e-Raza. Dongri. Bombay
(5) New Silver Book Depot. Mohammad Ali Road. Bombay
(6) Darul Uloom Gaus-e-Azam Memonwad, Porbandar

فہرست عناوین

نمبر	عنوان	صفحہ
۱	فہرست مضامین/عناوین	3
۲	پیش لفظ۔	9
۳	تھانوی صاحب کی محفل میں بیہودہ اور لچر گفتگو کی بھرمار۔	24
۴	حذف کے باوجود بھی یہ عالم کہ.....	34
۵	بیوی کو بغل میں لیکر بیٹھ جاؤ، چومو، چاٹو، مذی نکلے گی۔	36
۶	بیوی کو بغل میں لیکر ذکر کیا کریں۔ واللہ بہت لذت آئے گی۔	41
۷	مزہ تو مذی نکلنے میں آتا ہے، لوہے کے چنے چبانے میں مزہ کہاں؟	54
۸	مزہ ذکر میں کہاں؟ مزہ تو مذی میں ہے، جو بیوی سے ملاعبت کے وقت خارج ہوتی ہے۔	58
۹	پُرانی جورو ماں ہو جاتی ہے۔	63
۱۰	پُرانی جورو سے اُنس میں اضافہ ہوتا ہے۔	67
۱۱	کاش! میں عورت ہوتا اور تھانوی صاحب کی بیوی ہوتا۔	69
۱۲	پروفیسر خالد محمود سے ایک سوال۔	82
۱۳	ایک مرد میری بیوی بننے کی تمنا کرتا ہے، یہ بات تھانوی صاحب کبھی نہیں بھولے۔	84
۱۴	زوجۂ تھانوی بننے کے خیال کا حوصلہ عزیز الحسن کو کیوں اور کیسے ہوا؟	87
۱۵	ہر عورت کے ساتھ بی بی کا سا تعلق؟	98
۱۶	ڈاڑھی والی دلہن !!!	107

۱۷	لواطت کی ابتداء کیسے ہوئی؟ تفسیر کا حوالہ۔	112
۱۸	کن ممالک میں ہم جنسی نکاح قانوناً جرم نہیں۔	122
۱۹	بھری محفل میں رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی نے ایک چارپائی پر لیٹ کر بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کیا۔	133
۲۰	لڑکی نہیں بلکہ لڑکے سے عشق۔	151
۲۱	نانوتوی نے اپنے کا اغلام باز شاگرد کو ہتھیلی رگڑ کر عرش الٰہی پر پہنچا دیا۔	162
۲۲	واقعۂ معراج النبی کے تعلق سے چند اقتباسات۔	165
۲۳	توجہ درکار۔	170
۲۴	رنڈی کا بند دھندا چالو کرنے کے لیے تعویذ دینا۔	179
۲۵	رنڈی کی حرام کی کمائی کی مٹھائی۔	198
۲۶	گیارہویں کی مٹھائی زمین میں دفن کر دو۔	202
۲۷	وہابی سرکس کا مسخرہ (Joker)	205
۲۸	عوام کا اعتقاد مثل گدھے کا عضو تناسل۔	207
۲۹	آ۔ مادہ، نر آگیا۔	211
۳۰	تھانوی کو ہنسی مذاق بلکہ فحش باتوں سے بھی نفرت نہیں۔	213
۳۱	بے دلی سے تعلیم کرنا مثل بلاشہوت صحبت کرنا۔	217
۳۲	سفر کے سامان کو اسقاط حمل (Abortion)	219
۳۳	زنا کرنے کا آلہ کاٹنا واجب نہیں۔	223
۳۴	اپنی سنت کے مزے کے لیے نکاح۔	227
۳۵	بے حیا۔ بے شرم !!!	231

ماخذ ومراجع

نمبر	اسمائے کتب	مصنفین، مؤلفین
۱	قرآن مجید	کلام اللّٰہ
۲	سنن ابن ماجه (عربی)	ابو عبدالله محمد بن یزید بن ماجه المتوفیٰ س٢٧٢ھ
۳	صحیح بخاری شریف (عربی)	امام محمد بن اسماعیل بخاری المتوفیٰ س٢٥٦ھ
۴	صحیح مسلم شریف (عربی)	امام مسلم بن حجاج قشیری ۔ المتوفیٰ س٢٦١ھ
۵	جامع صغیر للسیوطی (عربی)	امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی المتوفیٰ س٩١١ھ
۶	مسند احمد بن حمبل (عربی)	امام احمد بن محمد بن حنبل المتوفیٰ س٢٤١ھ
۷	مستدرک للحاکم (عربی)	ابو عبد اللّٰہ حاکم نیشاپوری المتوفیٰ س٤٠٥ھ
۸	معجم کبیر للطبرانی (عربی)	ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی المتوفیٰ س٣٦٠ھ
۹	الترغیب و الترهیب (عربی)	حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفیٰ س٦٥٦ھ

نمبر	اسمائے کتب	مصنفین، مؤلفین
۱۰	مصنف ابن ابی شیبه (عربی)	ابوبکر عبد الله بن محمد بن احمد نسفی ۔ المتوفیٰ س٢٣٥ھ
۱۱	تاریخ دمشق ابن عساکر (عربی)	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر۔ المتوفیٰ س٥٧١ھ
۱۲	البدایه والنهایه لابن کثیر (عربی)	علامه اسماعیل بن کثیر قرشی دمشقی المتوفیٰ س٧٧٤ھ
۱۳	مشکوٰة شریف (عربی)	شیخ ولی الدین عراقی ۔ المتوفیٰ س٧٤٢ھ
۱۴	مثنوی شریف (فارسی)	مولانا جلال الدین رومی
۱۵	کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (عربی)	علامه علاء الدین علی المتقی ۔ المتوفیٰ س٩٧٥ھ
۱۶	تفسیر کبیر مفاتیح الغیب (عربی)	علامه فخرالدین رازی ۔ المتوفیٰ س٦٠٦ھ
۱۷	الافاضات الیومیه من الافاضات القومیه (اردو)	تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند۔ (وہابی)
۱۸	فیروز اللغات (اردو)	الحاج مولوی فیروز الدین
۱۹	کمالات اشرفیہ (اردو)	مولوی محمد عیسیٰ الہ آبادی (وہابی)
۲۰	حسن العزیز (اردو)	خواجہ عزیز الحسن غوری (وہابی)
۲۱	جامع ترمذی شریف (عربی)	ابو عیسیٰ محمد بن عیسی الترمذی المتوفیٰ س٢٧٩ھ
۲۲	حلیة الاولیاء لابی نعیم (عربی)	ابو نعیم احمد بن عبداللّٰہ اصبهانی المتوفیٰ س٤٣٠ھ

نمبر	کتاب	مصنف
۲۳	اتحاف السادة للزبیدی (عربی)	علامہ سید مرتضیٰ زبیدی۔ المتوفیٰ ۱۲۰۵ھ
۲۴	اشرف السوانح (اردو)	خواجہ عزیز الحسن غوری (وہابی)
۲۵	تذکرۃ الرشید (اردو)	مولوی عاشق الٰہی میرٹھی (وہابی)
۲۶	تفسیر روح البیان (اردو ترجمہ)	حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی۔ المتوفی ۱۱۳۷ھ
۲۷	تفسیر خزائن العرفان (اردو)	صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی
۲۸	تفسیر صاوی (عربی)	علامہ صاوی
۲۹	عجائب القرآن (اردو)	علامہ عبدالمصطفیٰ صاحب اعظمی
۳۰	سوانح قاسمی (اردو)	مولوی مناظر حسین گیلانی (وہابی)
۳۱	English-Urdu-English Combined Dictionary	Dr. Abdul Haq
۳۲	حکایات اولیاء (اردو)	مولوی اشرف علی تھانوی (وہابی)
۳۳	ارواح ثلثہ (اردو)	مولوی ظہور الحسن کسولوی (وہابی)
۳۴	خصائص الکبریٰ (اردو ترجمہ)	امام جلال الدین سیوطی المتوفیٰ ۹۱۱ھ
۳۵	مدارج النبوۃ (اردو ترجمہ)	شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی۔ المتوفیٰ ۱۰۵۲ھ
۳۶	شرح العقائد (عربی)	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی۔ المتوفیٰ ۷۱۹ھ
۳۷	ملفوظات حکیم الامت ۳۰/ جلدوں میں تھانوی صاحب کے ملفوظات کا ذخیرہ	ناشر:۔ ادارۂ اشرفیہ۔ دیوبند، سن طباعت مئی ۲۰۱۱ء (وہابی)

حوالہ غلط ثابت کرنے پر ہر حوالے پر پانچ لاکھ روپیہ کا انعام (5,00,000=00)

زیر نظر کتاب ''گستاخ رسول گروہ کے سیکسی مُلّا'' میں وہابی، دیوبندی اور تبلیغی مکتبۂ فکر کی کل نو (۹) کتابوں سے متفرق عناوین ومضامین سے متعدد حوالے اصل کتاب سے لفظ بلفظ نقل کیے ہیں۔ یہ تمام کتابیں میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں۔ یہ تمام کتب میں نے دیوبند سے منگوائی ہیں اور تمام کتب کے بل (Bill) میرے پاس موجود ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی صاحب اصل کتاب اور بل کا جائزہ اور تحقیق کرنا چاہے، وہ کرسکتا ہے۔

پھر بھی.......

اگر کوئی شخص کتاب میں درج حوالاجات میں سے کسی ایک حوالے کو غلط ثابت کردے گا، اسے ہر حوالے پر پانچ لاکھ روپیہ (5,00,000/=) کا انعام دیا جائے گا۔

اگر حوصلہ اور ہمت ہے تو آگے بڑھیں اور فی حوالہ پانچ لاکھ کا انعام حاصل کرنے کی کوشش تو کر دیکھیں۔

نوٹ:۔ حوالہ غلط ثابت ہونے کی صورت میں مصنف کے خلاف قانونی کاروائی کرنے کا پورا اختیار ہوگا۔

عبدالستار ہمدانی ''مصروف'' (مصنف)

"پیش لفظ"

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ

حضور اقدس، مالک کونین، عالم ما کان وما یکون، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاشرے میں بسنے والے مومن، کافر، مشرک، منافق، فاجر، نیک بخت، بدبخت، عالم، عابد، زاہد، متقی، پرہیزگار، جاہل، گناہ شعار وغیرہ ہر قسم کے لوگوں کی عادتیں، خصلتیں، علامتیں، خُو، مزاج، سیرت وغیرہ کو تفصیل سے بیان فرمادیا ہے۔ تاکہ ہر طبقے کے لوگوں کے حرکات وسکنات اور کردار وگفتار سے فوراً اندازہ لگ جائے کہ یہ جناب کا شمار کس قسم کے زمرہ میں ہے۔

حدیث:

" عَنۡ اَبِیۡ ہُرَیۡرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ قَالَ : قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ : اَلۡاِیۡمَانُ بِضۡعٌ وَّسِتُّوۡنَ شُعۡبَۃً ، وَالۡحَیَاءُ شُعۡبَۃٌ مِّنَ الۡاِیۡمَانِ "

حوالہ:

(۱) السنن لابن ماجه، جلد : ۱ ، صفحه:۸

(۲) الجامع الصحیح للبخاری ، کتاب الایمان، جلد :۱، صفحه:٦

(۳) الصحیح للمسلم ، کتاب الایمان ، جلد :۱ ، صفحه:٤٩

(٤) الجامع الصغیر للسیوطی ، جلد :۲ ، صفحه:٥٨٦

ترجمہ:

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کے ساٹھ (٦٠) سے زیادہ شعبے ہیں اور حیا بھی ایمان کا ایک حصّہ ہے۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حیا بھی ایمان کا ایک حصّہ ہے۔ لہذا سچا مومن ہمیشہ باحیا ہوتا ہے۔ حیا کہ جسکے لغوی معنی شرم، حجاب، لحاظ، غیرت ہوتے ہیں۔ یہ تمام خوبیاں ایک سچے مومن میں ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ یعنی شرم، حجاب، لحاظ اور غیرت مومن میں ضرور پائی جاتی ہیں۔

اب ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں:-

حدیث:

" عَنۡ اَبِیۡ اُمَامَۃَ الۡبَاہِلِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ قَالَ : قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ : اَلۡحَیَاءُ مِنَ الۡاِیۡمَانِ وَالۡبَذَاءُ مِنَ النِّفَاقِ "

حوالہ:

(۱) المسند لأحمد بن حنبل ، جلد :۱، صفحه:۵۰۱

(۲) المستدرك للحاكم ، جلد :۱ ، صفحه:۵۲

(۳) المعجم الكبير للطبرانى ، جلد :۱۸ ، صفحه:۱۷۸

(٤) الترغيب والترهيب للمنذرى ، جلد:۳ ، صفحه:۳۹۸

(۵) المصنف لابن أبى شيبة ، جلد :۸ ، صفحه:۳۳٤

: ترجمہ :

”حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حیا ایمان کا حصہ ہے اور فحش کلامی نفاق کی علامت ہے“

اس حدیث شریف میں حیا کو ایمان کا حصہ قرار دینے کے ساتھ ساتھ فحش کلامی کو نفاق کی علامت فرمایا گیا ہے۔ نفاق یعنی ظاہر میں دوستی اور باطن میں دشمنی اور نفاق رکھنے والے کو **”منافق“** کہا جاتا ہے۔ لغوی اصطلاح میں منافق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ظاہر میں دوست اور باطن میں دشمن ہو یا جس کے دل میں کچھ ہو، زبان پر کچھ، شریعتِ اسلامی میں منافق اس شخص کو کہا جاتا ہے۔ جو بظاہر مسلمان ہو مگر دل سے کافر ہو۔ (فیروز اللغات، ص:۱۲۸۹) ہر دور میں منافق پائے جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں بھی منافقین تھے، جو بظاہر کلمہ پڑھتے تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول کہتے تھے، لیکن در حقیقت ان کی یہ کلمہ گوئی اور اقرار نبوت محض

ایک دکھاوا تھا۔ ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے حقیقت میں اسلام کے کٹّر دشمن اور کفر کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے۔

ایسے دھوکے باز منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں **”سورۃ المنافقون“** نازل فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں متفرق مقامات میں منافقین کا تذکرہ فرمایا گیا ہے اور ان کی سخت الفاظ میں ذلت اور توبیخ فرمائی گئی ہے۔ ان تمام آیات کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہ ہونے کی وجہ سے صرف چند ہی آیات اشارۃً وکنایۃً پیش خدمت ہیں:-

آیت :

”اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ○“ (پارہ:۲۸، سورۃ المنافقون، آیت:۱)

: ترجمہ :

”جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں“ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ میں منافقین کی خصلت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ ظاہر میں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یقیناً رسول کہتے ہیں لیکن در حقیقت منافقین اپنے

اس ظاہری دعوے اور اقرار میں جھوٹے ہیں۔ یعنی وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتے۔ صرف دکھاوا اور دھوکہ دینے کیلئے بظاہر زبان سے اقرار کرتے ہیں مگر دل کا اعتقاد زبان کے اقرار کے برعکس یعنی خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ ان کا ایمان کا دعوی بھی جھوٹا ہے۔ جیسا کہ:-

آیت:

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ"

(پارہ:۱۰،سورۃ التوبۃ،آیت:۶۶)

ترجمہ:

''بہانے نہ بناؤ، تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر'' (کنزالایمان)

بارگاہ رسالت کے گستاخ اور بظاہر کلمہ گو یعنی منافقین کیلئے اس آیت میں صاف فیصلہ سنا دیا گیا ہے کہ ایسے نام کے مسلمان کی کلمہ گوئی کی کوئی وقعت و اعتبار نہیں۔ ایسے لوگ بظاہر مسلمان ہونے کے باوجود کافر ہیں۔ ان کا شمار اور حشر بھی کافروں کے ساتھ ہے اور ہوگا۔ ایک آیت کریمہ اس بات پر گواہ ہے کہ :-

آیت:

"وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝" (پارہ:۱۰،سورۃ التوبۃ،آیت:۶۸)

ترجمہ:

''اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے، جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ انہیں بس ہے اور اللہ کی ان پر لعنت ہے اور ان کیلئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔'' (کنزالایمان)

اس آیت میں کفار اور منافقین کیلئے دوزخ کی آگ کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ غور فرمائیں کہ اس آیت میں کافر اور منافق کا تذکرہ ایک ساتھ فرما کر کفار اور منافقین کو ایک ہی درجہ کا شمار کیا گیا ہے بلکہ منافق کو کافر سے بھی زیادہ خطرناک گردان کر منافق کا ذکر کافر کے ذکر سے پہلے کیا گیا ہے۔ یعنی جو سزا کافر کی ہے وہی سزا منافق کی ہے بلکہ سزا کے معاملے میں منافق کافر سے بھی مقدم یعنی پہلے ہے۔ بلکہ ایک آیت میں تو یہاں تک ارشادِ رب تعالیٰ ہے کہ کافر سے بھی زیادہ عذاب منافق کو دیا جائیگا:-

آیت:

"اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ"

(پارہ:۵،سورۃ النساء،آیت:۱۴۵)

ترجمہ:

''بے شک منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہیں۔'' (کنزالایمان)

تفسیر :

”منافق کا عذاب کافر سے بھی زیادہ ہے کیونکہ وہ دنیا میں اظہار اسلام کرکے مجاہدین کے ہاتھوں سے بچا رہا ہے اور کفر کے باوجود مسلمانوں کو مغالطہ (دھوکا) دینا اور اسلام کے ساتھ استہزاء کرنا ان کا شیوہ رہا ہے۔“ (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ:۱۶۲)

مندرجہ بالا دونوں آیات کریمہ میں منافقین کے تعلق سے جو بیان ہوا ہے، اس کا ماحصل قارئین کرام کی خدمت عالی میں پیش ہے:-

- **منافق کو اللہ تعالی نے جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے۔**
- **منافق کا شمار کفار کے ساتھ کیا گیا ہے۔**
- **کافر کی طرح منافق بھی جہنم کی آگ میں ہمیشہ جلتا رہیگا۔**
- **منافق پر اللہ کی لعنت ہے۔**
- **منافق پر ہمیشہ ”عذاب مقیم“ یعنی قائم رہنے والا عذاب ہوگا۔**
- **منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوگا، جہاں سب سے زیادہ عذاب ہوگا۔**
- **آخرت میں کافر سے بھی زیادہ عذاب منافق کو دیا جائیگا۔**

اب ہم منافق کے تعلق سے وارد آیات و احکام پر تفصیلی گفتگو نہ کرتے ہوئے ہمارے اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ حدیث کے مقدس

ارشاد کے مطابق حیا ایمان کا ایک حصہ ہے اور منافق حکم قرآن سے ایمان سے محروم ہے لہذا وہ حیا سے بھی محروم ہے۔ جب اس میں ایمان ہی نہیں، تو ایمان کا ایک حصہ حیا اسے کیسے نصیب ہوسکتا ہے۔ تجربہ سے طے شدہ بات یہ ہے کہ جس کو ایمان نصیب نہیں ہوتا اسے شرم وحیا بھی نصیب نہیں ہوتی۔ لہذا جو بے ایمان ہوتا ہے، وہ بے حیا اور بے شرم بھی ہوتا ہے۔ شرم وحیا سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ بے حیائی اور بے شرمی کی تمام سرحدیں عبور کرکے بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر بے حیا کی رد بلا والی مثل پر عمل کرتے ہوئے ”شرم چہ کتّی ست کہ پیش مرداں آید“ کا مصداق بنتا ہے۔

جو شخص شرم وحیا سے محروم ہوتا ہے، وہ اتنا ڈھیٹ ہوجاتا ہے کہ اسے اپنی بے شرمی اور بے حیائی کے ارتکاب پر مطلق شرمندگی نہیں ہوتی بلکہ وہ حیا آنکھوں سے دھو ڈال کر بھری محفلوں میں بے حیائی کی باتیں کرتا ہے بلکہ کتابوں میں لکھتا ہے اور چھاپتا ہے۔ ان بے شرموں کے ایسے ارتکاب رذیلہ دیکھ کر یا پڑھ کر آقائے دو جہاں، دانائے غیوب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ایک مقدس ارشاد یاد آرہا ہے، جو ذیل میں درج ہے:-

حدیث :

” عَنْ أَبِی مَسْعُوْدِالْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ “

حوالہ :

(١) المعجم الكبير للطبراني ، جلد :١ ، صفحه:٢٣٦

(٢) تاريخ دمشق لابن عساكر ، جلد :٤ ، صفحه:٣٦٢

(٣) تلخيص الحبير لابن حجر ، جلد :٤،صفحه:٢٠٠

(٤) البداية والنهاية لابن كثير ، جلد :١٢،صفحه:٥٤

: ترجمہ :

'' حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو بے حیا ہو گیا، تو جو چاہے کر۔''

یعنی جو بے حیا اور بے شرم ہو جاتا ہے، وہ اپنے دل میں جو بھی آتا ہے، اسے کر بیٹھتا ہے۔ اسے حالات، ماحول، محفل، مجلس، اپنا منصب یا کسی کی موجودگی اپنی بے حیائی کے ارتکاب میں مانع نہیں ہوتی۔ وہ شخص بے حیائی اور بے شرمی کا جو بھی کام چاہتا ہے کر کے ہی رہتا ہے۔ بلکہ علانیہ طور پر بھی فحشیات کا ارتکاب کرنے میں وہ کسی قسم کی عار و خجلت محسوس نہیں کرتا۔ بلکہ فخر محسوس کرتا ہے اور اپنے کالے کرتوتوں کو اپنی محفل میں یا اپنے رفقاء کے سامنے فخریہ بیان کرتا ہے۔

یہ تو ہوئی عام طور پر بے حیا و بے شرم لوگوں کی بات۔ لیکن حیرت اور تعجب تو تب ہے کہ اپنے کو مذہبی پیشوا اور رہنما کہنے والے، مولانا اور مولوی کے القابات کے حامل، قوم و ملت کے حامی اور ہمدرد کا لبادہ اوڑھنے والے، بذاتِ خود منصب مجدّد پر چڑھ بیٹھنے والے، حکیم

الامت بننے والے اور مذہب کی آڑ میں نہ جانے کیا کیا بن جانے والے افراد جب فحشیات و لغویات کے دلدل میں پھنس کر بے حیائی و بے شرمی کی نظیر بنتے ہیں، تو قوم مسلم کے ہر طبقے کے افراد کو گہرا صدمہ پہونچتا ہے، عوام و جہلا ان کی بے حیائی اور بے شرمی کی داستانیں سن کر یہی کہتے ہیں کہ ایسے ملاؤں سے تو ہم لاکھ درجہ اچھے ہیں۔ اسلام دشمن عناصر کے کانوں تک جب ان کی بے حیائی اور بے شرمی کی داستان پہونچتی ہیں، تو وہ اسلام کے خلاف اور متبعین اسلام کے خلاف زہر اُگلنے میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ مہذّب و شریف مومن کی گردنیں ایسے منافق ملاؤں کی بے حیائی و بے شرمی کی وجہ سے شرم کے مارے جھک جاتی ہیں۔

علماء اور علم کے وقار و تقدس کو شدید صدمہ پہونچتا ہے۔ عالموں کی غیرت و آبرو مجروح ہوتی ہے۔ لیکن لوگوں کو کون یہ سمجھائے کہ بے حیائی و بے شرمی کا بازار گرم کرنے والے یہ '' کٹ ملّے '' منافقین کے گروہ کے ہیں۔ حیا مومن کی صفت ہے اور ان منافقوں کو '' حیا کی ہوا '' تک نہیں لگی۔ ان کے نفاق کی وجہ سے ان کو فحشیات سے ہی سابقہ رہتا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع و اعلیٰ میں بے ادبی و گستاخی کرنے کی وجہ سے وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ بظاہر کلمہ گو، پابند صوم وصلوٰۃ، متقی و پرہیزگار، عالم و محدث، مفتی و محقق وغیرہ نظر آتے ہیں لیکن دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ بظاہر مومن و مسلمان نظر آتے ہیں لیکن بارگاہ رسالت کی گستاخی نے انھیں '' منافقین '' کے زمرے میں دھکیل دیا ہے۔

ایسے بے حیا و بے شرم ملاؤں نے علم ضرور پڑھا اور سیکھا ہے۔ مولانا اور مفتی کی ڈگریاں ضرور حاصل کی ہیں لیکن وہ اس کے اہل نہ تھے۔ نااہلوں نے علم سیکھا اور علم

کی غیرت کا جنازہ نکال دیا۔اسی لیے ہی حضور اقدس ، جانِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نااہلوں کو علم سکھانے سے منع فرمایا ہے۔جیسا کہ:-

حدیث :

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

"وَاضِعُ الْعِلْمِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهٖ كَمُقَلِّدِ الْخَنَازِيْرِ الْجَوَاهِرَ وَاللُّؤْلُؤَ وَالذَّهَبَ"

ترجمہ :

" نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسے سؤروں کو جواہرات، موتی اور سونے کا ہار پہنانے والا"

حوالہ :

(۱) مشکوٰۃ شریف ، صفحہ:۳٤

(۲) سنن ابن ماجہ ، باب:۳۹ ، حدیث نمبر:۲۲۹ صفحہ:۳۷، ناشر: جمعية المكنز الاسلامی ، القاهره ، مصر

حدیث :

حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

" آفَةُ الْعِلْمِ النِّسْيَانُ وَإِضَاعَتُهٗ أَنْ تُحَدِّثَ بِهٖ غَيْرَ أَهْلِهٖ"

حوالہ :

(۱) مشکوٰۃ شریف ، صفحہ:۳۷

(۲) سنن الدارمی ، باب مذاکرة العلم ، باب : ۵۱ ، حدیث نمبر :٦٢٤ ، ص:١٥٨، ناشر: دار الكتب العربی ، بیروت ، لبنان

ترجمہ :

"علم کی آفت اسے بھول جانا ہے اور علم کو ضائع کرنا یہ ہے کہ تو اسے نااہل اور نالائق کو سکھائے۔"

قابلِ توجہ:

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے شہرۂ آفاق کلام "مثنوی شریف" میں مندرجہ بالا دونوں احادیث کریمہ کی ترجمانی اس شعر میں فرمائی ہے کہ:-

نا اہل را علم و فن آموختن
دادن تیغ ست دستِ راہزن

ترجمہ :

"نااہل کو علم و ہنر سکھانا ایسا ہے جیسے ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا"

معلوم ہوا کہ ’’ نااہل ‘‘ کو علم سکھانا خطرے سے خالی نہیں ۔ کیونکہ نااہل علم سے فائدہ پہونچانے کے مقابل نقصان زیادہ پہونچاتا ہے۔ علم کے لیے کہا گیا ہے کہ ’’ **یک مَن علم رادہ مَن عقل باید** ‘‘ یعنی ’’ **ایک مَن علم** کو صحیح معنوں میں سمجھنے کیلئے دس (۱۰) مَن عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ‘‘ کچھ بے عقل و بے فہم بظاہر علم پڑھ کر عالم، مولوی، مولانا، مفتی وغیرہ بن جاتے ہیں لیکن عقل وفہم کے فقدان کی وجہ سے اور علم کے تحمل کی نااہلیت کی وجہ سے وہ قوم وملت کے لیے ہمیشہ خطرہ اور آفت ڈھاتے ہیں۔ اسی لیے تو اردو زبان میں ایک مثل مشہور ہے کہ ’’ **نیم حکیم خطرۂ جان - نیم ملاّ خطرۂ ایمان۔** ‘‘ ایک اہم اور تجربہ سے ثابت شدہ بات یہ بھی ہے کہ ’’ خدا جب دین چھین لیتا ہے، تو عقلیں بھی چھین لیتا ہے ‘‘ دور حاضر کے منافقین اپنے کفریہ عقائد کی بناء پر دین وایمان سے جب ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، تو اس کے نتیجہ میں ان کی عقل کے طوطے بھی اڑ گئے ہیں۔ جب ان کی عقل کا چراغ ہی گُل ہو چکا ہے، تو اب ان کے یہاں فہم ودانائی کا قحط پڑا ہے۔ ایسے عالَم میں ان کو علم کا شعور اور سلیقہ ہی حاصل نہیں اور علم کی صحیح معرفت سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا تہذیب، شائستگی، اخلاق، تربیت، شرم، حیا، لحاظ، غیرت وغیرہ ان میں بڑی جستجو کے باوجود بھی ڈھونڈے نہیں پائے جاتے۔

الحاصل !!!

- **جو گستاخ رسول ہوتا ہے، وہ شرعاً منافق ہوتا ہے۔**
- **منافق شخص ایمان کے شعبۂ حیا سے محروم ہونے کی وجہ سے فحش گو ہوتا ہے۔**
- **منافق علم سیکھنے کے لائق نہیں مگر پھر بھی علم سیکھتا ہے، جس کا وہ اہل نہیں اور**

نااہل کو علم سکھانا گویا کہ خنزیر کے گلے میں قیمتی موتیوں کا ہار پہنانا یا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینے کے مترادف ہے۔

- **منافق میں شرم وحیا کے ساتھ ساتھ عقل وفہم کا بھی فقدان ہوتا ہے۔**

لہٰذا! وہ جاہلانہ انداز میں بے حیائی و بے شرمی کی باتیں اپنی محفلوں اور مجلسوں میں کرتا ہے۔ صرف کہتا ہی نہیں بلکہ لکھتا اور چھاپتا بھی ہے۔ اس کی بے حیائی کی باتیں ان کے چیلے چپاٹے جب مذہبی کتابوں میں ’’ حکیمانہ کلام وگفتگو ‘‘ کے عنوان سے شائع کرتے ہیں تب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بیوقوف چیلے اپنے بے عقل اور نافہم گُرو سے بھی دو (۲) قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ تُف تو اس بات پر ہے کہ اپنے گُرو کے بے حیائی و بے شرمی پر مشتمل قول وفعل واطوار پر نادم اور خجل ہونے کے بجائے بیوقوف چیلے بزرگان دین پر بے حیائی و بے شرمی کے جھوٹے الزامات عائد کرتے ہیں۔ افترا پردازوں کی حالت شیشے کے گھر میں بیٹھ کر کسی کو پتھر مارنے والے جیسی ہے۔

اس کتاب کا نام ’’ **سیکسی ملاّ** ‘‘ (**sexy mulla**) رکھنا اس لیے ضروری ہوا کہ امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، شیخ الاسلام والمسلمین، امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات کو مجروح اور داغدار بنانے کی فاسد غرض سے دور حاضر کے منافقین یعنی وہابی دیوبندی مکتبۂ فکر کے مصنفین دروغ گوئی اور کذب بیانی کا دامن تھام کر بے سروپا کے جھوٹے الزامات واتہامات سے لبریز کتابیں شائع کر رہے ہیں اور اعلیٰ حضرت کے بیان فرمودہ کسی بزرگ کی کرامت کے واقعہ کو قصداً بلکہ کھینچ تان کر فحشیات کے زمرے میں داخل اور شمار کرنے کی

مذموم حرکتیں کرتے ہیں۔ جس کی تازہ مثال مولوی خالد محمود مانچسٹری کی آٹھ ۸، جلدوں پر مشتمل رسوائے زمانہ کتاب ''**مطالعہ بریلویت**'' ہے۔

مطالعۂ بریلویت کے جواب کی پہلی قسط ''**حکیم الامت مولانا تھانوی کی علمی صلاحیت**'' کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے اور دوسری قسط ''ڈاڑھی والی دلہن'' کے نام سے عوام وخواص میں مقبول ہوکر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔ تیسری قسط قارئین کرام کے مبارک ہاتھوں میں ہے۔ قارئین کرام سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ فقیر راقم الحروف کی اس کاوش کا بنظرِ عمیق مطالعہ فرمائیں اور خود ہی انصاف فرمائیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس مبارک ارشاد کہ ''**بے حیا باش، ہرچہ خواہی کن**'' کو خراج عقیدت پیش کریں۔ فقط ۔ والسلام

مؤرخہ:۔ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۴۳۵ھ مطابق:۔ ۱۵ رنومبر ۲۰۱۳ء جمعہ مبارکہ :۔ بمقام :۔ پوربندر	خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ۔ مارہرہ مطہرہ اور خانقاہ عالیہ رضویہ نوریہ ۔ بریلی شریف کا ادنیٰ سوالی عبدالستار ہمدانی ''مصروفؔ'' (برکاتی۔نوری)

''تھانوی صاحب کی محفل میں بیہودہ اور لچر گفتگو کی بھرمار''

عالم دین کی مجلس میں بیٹھنا اور عالم دین کی علمی گفتگو سننا عبادت ہے۔ لہذا حضور اقدس، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عالم دین کی صحبت میں بیٹھنا، اس کی مجلس میں جانا اور شریعت کے علم کی باتیں سننے کی تاکید وترغیب فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں وارد چند احادیث کریمہ پیش خدمت ہیں:-

حدیث :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

" مُجَالَسَةُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ۔ رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ فِي الْفِرْدَوْسِ "

حوالہ :

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤلف: علامه علاء الدین علی المتقی، المتوفی ۹۷۵ھ، جلد: ۱۰، کتاب العلم، باب اول، صفحه: ٦٤، حدیث نمبر: ۲۸۷۵۲، مطبوعه: دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان۔

ترجمہ :

''عالموں کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کیا۔''

حدیث :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ:-

" إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ ؟ قَالَ مَجَالِسُ الْعُلَمَاءِ "

حوالہ :

(۱) کنز العمال ، مؤلف: علامہ علاء الدین علی المتقی ، المتوفی ۹۷۵ھ، جلد: ۱۰ ، کتاب العلم ، باب اول ، صفحہ:۶۰ ، حدیث نمبر : ۲۸۶۹۱، مطبوعہ : دار الکتب العلمیۃ ، بیروت ، لبنان ۔

ترجمہ :

''جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو، تو چر لیا کرو۔ عرض کیا گیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا: عالموں کی مجلسیں۔''

حدیث :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:-

" كَلِمَةُ حِكْمَةٍ يَسْمَعُهَا الرَّجُلُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ وَالْجُلُوْسُ سَاعَةً عِنْدَ مُذَاكَرَةِ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِّنْ عِتْقِ رَقَبَةٍ ۔ رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ "

حوالہ :

(۱) کنز العمال ، مؤلف: علامہ علاء الدین علی المتقی ، المتوفی ۹۷۵ھ، جلد: ۱۰ ، کتاب العلم ، باب الاول فی الترغیب فیہ ، ص: ۷۷ ، حدیث نمبر: ۲۸۹۱۹ ، مطبوعہ : دار الکتب العلمیہ ، بیروت ، لبنان۔

ترجمہ :

''شریعت کی ایک بات کا سننا، سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور علم دین کی گفتگو کرنے والوں کے پاس ایک گھڑی بیٹھنا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔''

حدیث :

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:-

" لَا تُفَارِقُوْا مَجَالِسَ الْعُلَمَاءِ فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَخْلُقْ تُرْبَةً عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ أَكْرَمَ مِنْ مَّجَالِسِ الْعُلَمَاءِ "

حوالہ :

تفسیر کبیر، للامام فخر الدین رازی، المتوفیٰ ۶۰۴ھ، جلد:۲ ، سورۃ البقرۃ،ص:۲۱۰ ، مطبوعہ : دار الفکر ، بیروت ، لبنان

ترجمہ :

''عالموں کی مجلسوں سے الگ نہ رہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر عالموں کی مجلسوں سے بڑھ کر مٹی کو پیدا نہیں فرمایا۔''

الحاصل ! عالم دین کی مجلس کہ جہاں دین کے مسائل اور احکام کی گفتگو ہوتی ہے، اس مجلس میں جانا بہت ہی افضل عبادت ہے۔ یہاں صرف چار (۴) احادیث کریمہ بیان کی ہیں:-

مندرجہ بالا احادیث کریمہ کا ماحصل یہ ہے کہ:-

- **عالموں کے ساتھ بیٹھنا عبادت ہے۔**
- **عالموں کی مجالس جنت کے باغ ہیں۔ ان میں سے کچھ کھالینا چاہیے۔**
- **عالم کی مجلس میں بیٹھ کر دین کی ایک بات سننا سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔**
- **عالم کے پاس ایک ساعت بیٹھنا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔**
- **عالم کی مجلس سے الگ نہ ہونا چاہیے۔**
- **روئے زمین پر عالموں کی مجلسوں سے بہتر کوئی مٹی نہیں۔**

مذکورہ تمام فضائل ان علماء کی مجالس کے لیے ہیں، جو علمائے حق ہیں۔ ان برحق علمائے دین کی مجالس میں صرف دینی مسائل اور معاملات پر ہی گفتگو ہوتی ہے۔ ان کی مجالس میں تہذیب، ادب، شائستگی، متانت، خوش اخلاقی، سنجیدگی، استواری، شرم وحیا، خیالات کی آراستگی، اقوال کی درستگی وغیرہ اخلاق حسنہ کا بھرپور لحاظ برتا جاتا ہے اور بیہودہ گوئی، غیر مہذّب گفتگو، فضول کلامی، لغویات، خرافات، رذائل اور دیگر نازیبا اطوار واقوال وارتکابات سے سخت اجتناب کیا جاتا ہے۔

لیکن !!!

وہابی، دیوبندی، تبلیغی جماعت کے ''**حکیم الامت**'' اور ''**مجدد**'' مولوی اشرف

علی صاحب تھانوی کی مجالس ومحافل میں بیہودہ اور لچر گفتگو کی اتنی بھرمار ہوتی تھی کہ ان کی سوانح حیات اور ملفوظات پر مشتمل کتب کے مطالعہ سے ایک مہذب مومن کا سر شرم کے مارے جھک جاتا ہے۔ جب کسی غیر مسلم متعصب کی نظر سے علمائے دیوبند کی فحشیات پر مشتمل ایسی عبارات وحکایات گزرتی ہیں، تو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے دل کی خراش نکالنے کے لیے اپنی زبان سے زہر اُگلنے کا سنہرا موقعہ پاتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے دامن تقدس کو داغدار کرنے کی مذموم سعی کرنے میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہیں رکھتا۔ صرف مولوی عبدالوہاب نجدی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی منصور علی قاسمی مرادآبادی، مولوی فیض الحسن کاندھلوی، تھانوی صاحب کے خلیفۂ خاص خواجہ عزیز الحسن غوری، تھانوی صاحب کے والد جناب عبدالحق صاحب، تھانوی صاحب کے ماموں شوکت علی صاحب، حافظ ضامن علی صاحب جلال آبادی وغیرہ کی سوانح حیات کا جائزہ لینے پر ایسے کئی واقعات دستیاب ہوتے ہیں کہ یہ حضرات اپنے اقوال وافعال وارتکابات میں فحش گوئی، بے حیائی اور بے شرمی کی ایسی ایسی گھنونی مثالیں پیش کر گئے ہیں کہ ایک عوامی سطح کا جاہل شخص بھی ان کے کرتوتوں کو پڑھ کر یا سن کر سینہ ٹھوک کر یہی کہے گا کہ ''**بایں ریش وفش**'' **یعنی** ''**یہ ڈاڑھی اور یہ طُرّہ اور ایسی حرکتیں**''

حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ دور حاضر کے منافقین اپنے مذکورہ اکابر کی سوانح حیات میں ایسے فحش، لغو، بیہودہ، حیا سوز، شرمناک اور غیر مہذب اقوال وافعال کو بڑے فخر سے طبع کرتے ہیں اور ''**حیا آنکھوں سے دھوڈالنے**'' کے مصداق بنتے ہیں۔ ایک ضروری نکتہ کی طرف بھی توجہ درکار ہے کہ انبیاء کرام، اولیاء عظام ودیگر بزرگان دین

وملت کی حیات طیبہ کا مطالعہ کر کے ایمان کی پختگی، عمل کی پائداری، اخلاق وتہذیب کا حسن سلوک، ارتکاب کی حیاداری، شرم وحجاب کا حسن گلوسوز وغیرہ اچھے اور نیک طور وطریقے سیکھنے کو ملتے ہیں۔ اور اسی غرض سے بزرگان دین کی سوانح عمری لکھی اور شائع کی جاتی ہے۔ لیکن علمائے دیوبند کی ایسی فحش ولچر باتیں شائع کر کے ناشرین کتب قوم کو کیا پیغام وتعلیم دینا چاہتے ہیں؟ ایسے بیباک، شوخ اور ناواقف ناشر ملت کو کونسا درس دینا چاہتے ہیں؟ ایسی رسوائے زمانہ اور پھوہڑ کتابوں کی اشاعت یقیناً قابل شرم وعار ہیں۔ لیکن یہ کورمغز یہی سمجھتے ہیں کہ ہم قوم وملت کی مذہبی اور ادبی خدمت کرتے ہیں۔ لبھانے والے اور مکروفریب کی جال میں پھنسانے والے اشتہارات کے ذریعہ گھر گھر ایسی کتابیں پہونچائی جاتی ہیں۔ لوگ مروت اور لحاظ کے تحت برداشتہ دل ہوکر بھی ایسی فحشیات پر مشتمل کتابیں خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ **''حیا والا اپنی حیا سے ڈرا۔ بے حیا جانے مجھ سے ڈرا''** والی مثل ایسے معاملات پر اچھی طرح صادق آتی ہے۔

علمائے دیوبند کے اکابر میں سے جس کو بھی دیکھو، وہ اسیر زلف محبوب نظر آتا ہے۔ جوانی اور بچپن میں تو جو حرکتیں کیں وہ کیں لیکن اب بڑھاپے میں بھی ایسے ایسے گل کھلاتے ہیں کہ ان کے ایسے ارتکاب دیکھ کر یہی مثل یاد آتی ہے کہ **''اسی برس کی عمر۔ نام میاں معصوم''**

علمائے دیوبند میں سے مولوی اشرف صاحب تھانوی فحش گفتگو کرنے کے معاملے میں انفرادی حیثیت کے حامل تھے۔ اپنی محفل میں مذہبی، سماجی، سیاسی، معاشی اور ازدواجی مسائل کے معاملے میں بھی تھانوی صاحب فحشیات پر مشتمل ہی مثالیں اکثر

اوقات پیش کرتے تھے۔ تھانوی صاحب کے ملفوظات کے جامع اور مرتب مولوی نسیم احمد بن شمس الحسن صاحب نے بھی اس حقیقت کا اعتراف اس طرح کیا ہے:-

> **''چنانچہ سینکڑوں باتیں مجھ کو ایسی معلوم ہیں، جن کو میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا۔ بعض تذکروں کو جو میں نے دیکھا، تو ان میں میں نے بہت سے ایسے ملفوظات پائے، جو ہرگز اس قابل نہ تھے کہ ان کو ضبط کر کے شائع کیا جاتا۔ بعضے بہت ہی پوچ اور لچر حکایت بھی ان میں درج کردی گئی ہیں۔ حالانکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض مزاح میں وہ بیان کردی گئی ہوں۔ بس صرف ایسے ہی ملفوظات منضبط کرنے چاہئیں، جن میں کوئی علمی یا عملی فائدہ ہو''**

حوالہ :

(۱) **الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ** (پرانا ایڈیشن۔ ۱۴۱۰ھ) تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، باہتمام: نسیم احمد بن شمس الحسن، ناشر: مکتبۂ دانش (ادارہ فکر اسلامی) دیوبند (یو۔پی)۔ جلد چہارم میں جلد پنجم، قسط نمبر: ۲، ملفوظ نمبر: ۱۶۱، اوپر کا صفحہ نمبر: ۲۰۵، نیچے کا صفحہ نمبر: ۹۳۔

(۲) **الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ** (نیا ایڈیشن، طبع اول ۱۹۹۹ء) تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند، (یو۔پی) جلد: ۵، حصہ: ۹، صفحہ: ۳۹۴، ملفوظ نمبر: ۲۴۸۔

اس عبارت پر کچھ تبصرہ کرنے سے قبل عبارت میں وارد دو (۲) الفاظ **(۱) پوچ** اور **(۲) لچر** کے لغوی معنی لغت سے معلوم کرلیں:-

- **پوچ:-** لغو، بیہودہ، مہمل، ذلیل، حقیر، کمینہ، نیچ۔ **(فیروز اللغات، صفحہ:۳۰۷)**
- **لچر:-** لغو، مہمل، بیہودہ، بےوقوف، احمق، بے ربط، بے معنی، بے تکی (بات)۔ **(فیروز اللغات، صفحہ:۱۱۵۰)**

''**الافاضات الیومیہ**'' کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملوں کی طرف خاص توجہ دیں اور بنظر عمیق اس پر غور وفکر کریں:-

- **سینکڑوں باتیں مجھ کو ایسی معلوم ہیں، جن کو میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا۔**
- **بہت سے ملفوظات ایسے پائے جو ہرگز اس قابل نہ تھے کہ ان کو ضبط کر کے شائع کیا جاتا۔**
- **بعضے بہت ہی پوچ اور لچر حکایات ان میں درج کر دی گئی ہیں۔**
- **ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض مزاح میں وہ بیان کر دی گئی ہوں۔**

اب مذکورہ جملوں پر سیر حاصل گفتگو کریں:-

◈ تھانوی صاحب کے ملفوظات کے ضبط کردہ نے خود اعتراف کیا ہے کہ مجھ کو تھانوی صاحب کے ملفوظات سے کسی کے بھی سامنے بیان نہ کر سکیں ایسی دو (۲) چار (۴) ہی باتیں نہیں بلکہ سینکڑوں باتیں معلوم ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ تھانوی صاحب کی محفل ومجلس میں ایسی باتیں کثرت سے ہوا کرتی تھیں۔ کبھی کبھار یا اتفاقیہ مزاح میں ایسی فحش اور لغو گفتگو نہیں ہوتی تھی بلکہ تھانوی صاحب کی محفلیں اور مجلسیں ایسی گفتگو سے لبریز ہوا کرتی تھیں۔ اسی لیے تو ملفوظات کے جامع نے اعتراف کیا ہے کہ ''**ایسی سینکڑوں باتیں مجھ**

کو معلوم ہیں''۔ کیسی باتیں ان کو معلوم تھیں؟ ایسی باتیں کہ ''**جن کو میں کسی کے سامنے نہیں بیان کرتا**''۔ کیوں بیان نہیں کرتے؟ اس لیے کہ وہ تہذیب اور اخلاق سے گری ہوئی تھیں۔ جو سراسر تہذیب محفل کے خلاف تھے۔ وہ ہرگز اس قابل نہ تھے کہ جن کو ضبط کر کے شائع کیا جائے۔ ان ملفوظات میں ایسی کیا بات تھی کہ ان کو شائع کرنا مناسب نہ تھا۔ خود ملفوظات کے جامع کے الفاظ میں سماعت فرمائیں کہ ''**ان میں بہت ہی پوچ اور لچر حکایات درج تھیں**''۔ یعنی تھانوی صاحب کے ملفوظات میں پوچ اور لچر یعنی لغو، بیہودہ، مہمل، ذلیل قسم کی، کمینہ پن پر مشتمل، سفلہ طرز کی، نیچ طینت کی، بے وقوفانہ، احمق پن اور بے وقوفی کا مظاہرہ کرنے والی، بے ربط و بے معنی اور بے تکی جاہلانہ قسم کی باتیں زیادہ تر ہوتی تھیں بلکہ ایسی ہی باتیں کثرت سے ہوا کرتی تھیں۔ کیونکہ عبارت اس طرح نہیں کہ پوچ اور لچر حکایات درج تھیں بلکہ ''**بہت ہی پوچ اور لچر حکایات**'' کے الفاظ وارد ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ تھانوی صاحب کی مجالس ومحافل میں ''بہت ہی'' یعنی کثرت سے پوچ اور لچر گفتگو ہوا کرتی تھی۔

◈ تھانوی صاحب کے ملفوظات کے جامع اور ضبط کردہ نے کھلے لفظوں میں اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ تھانوی صاحب کے ملفوظات میں کثرت سے پوچ اور لچر حکایت ہیں۔ لیکن اس اعتراف کے بعد اب تھانوی صاحب کی اندھی عقیدت میں مبتلا ہو کر تھانوی صاحب کا دفاع (Defence) کر رہے

ہیں کہ **''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محض مزاح میں وہ بیان کردی گئی ہوں''** اس جملے کے شروع میں وارد الفاظ **''ایسا معلوم ہوتا ہے''** نے دفاع اور بچاؤ کو ہی لولا ولنگڑا کردیا ہے۔ یعنی یہ بات یقینی نہیں ہے کہ تھانوی صاحب نے ایسی بیہودہ باتیں محض مزاح میں بیان کردی ہوں بلکہ ایسا لگتا ہے یعنی ہوسکتا ہے یعنی ایسا گمان کیا جاسکتا ہے یعنی شاید ایسا بھی ہو یعنی ایسا احتمال ہوسکتا ہے یعنی ایسا بھی خیال کیا جاسکتا ہے یعنی ایسا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تھانوی صاحب نے اپنی محافل ومجالس میں ایسی بیہودہ باتیں محض مزاح میں بیان کردی ہوں ۔ **''ایسا معلوم ہوتا ہے''** کے الفاظ کے طفیل اور سہارے سے شک وشبہ کا پہلو اختیار کرکے تھانوی صاحب کا دفاع کیا جارہا ہے۔ لیکن یہ سہارا اور وسیلہ بھی دفاع کے لیے کارآمد نہیں۔

مزاح کہ جس کے لغوی معنی خوش طبعی، مذاق اور ہنسی ہوتے ہیں (حوالہ:- فیروز اللغات، صفحہ:۱۲۳۷) ان تینوں معنوں میں سے **''خوش طبعی''** ضرور اچھی اور مستحسن ہے۔ بلکہ خوش طبعی کی اہمیت حدیث شریف میں اس طرح وارد ہے کہ " **اَلْمِزَاحُ فِی الْکَلَامِ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَام** " یعنی **''گفتگو میں مزاح ایسا ہے، جیسا کہ کھانے میں نمک ہوتا ہے''** جس طرح بغیر نمک کا کھانا بے مزہ ہوتا ہے، اسی طرح بغیر مزاح یعنی خوش طبعی کے بغیر گفتگو یعنی کلام بھی بے لطف ہوتا ہے۔ لیکن یہ مزاح صرف اور صرف خوش طبعی کی حد تک ہی محدود رہنا چاہیے۔ اگر کھانے میں نمک کی مقدار ضرورت سے زیادہ ہوجائیگی، تو کھانا اس قابل نہیں رہیگا کہ اسے لذت سے کھایا جائے اور اگر کھانے میں

نمک کی مقدار **''بہت ہی''** ہوجائے، تو کھانا ایک دم کھارا یعنی تلخ، کڑوا اور ترش ہوکر ایسا بدمزہ ہوجائیگا کہ لقمہ بھی منہ میں ڈالنا مشکل ہوجائیگا۔ اسی طرح گفتگو میں بھی اگر **''مزاح''** کی مقدار ضرورت سے زیادہ ہوجائیگی بلکہ **''بہت ہی''** ہوجائیگی، تو وہ بھی لغو، بیہودہ اور مہمل ہوکر گفتگو کو فحش اور مذاق بناڈالیگی کہ ایک شریف اور مہذب آدمی کے لیے اس کا ایک جملہ سننا بھی دشوار ہوجائیگا۔

مزاح یعنی خوش طبعی بھی کھانے میں معمولی مقدار کے نمک کی طرح کلام میں ہونی چاہیے۔ بہت مقدار میں نمک جس طرح کھانے کو ناقابل تناول بنادیتا ہے، اسی طرح کلام یعنی گفتگو میں **''بہت ہی''** مقدار میں مزاح بھی کلام کو ناقابل سماعت بنادیتا ہے۔ مزاح کثرت مقدار کی وجہ سے مزاح یعنی خوش طبعی نہ رہتے ہوئے مذاق یعنی ٹھٹھا اور تمسخر بن جاتا ہے۔ اور ایسی ٹھٹھا اور تمسخر بھری باتیں پوچ اور لچر باتیں کہلاتی ہیں۔

حذف کے باوجود بھی یہ عالم کہ..... ؟

تھانوی صاحب کے ملفوظات کے جامع اور ضبط کردہ نے یہ اعتراف کیا ہے کہ تھانوی صاحب کے ملفوظات بہت ہی پوچ ولچر حکایت ہونے کی وجہ سے وہ اس قابل نہ تھے کہ ان کو شائع کیا جائے ۔ بلکہ تھانوی صاحب کے وہی ملفوظات شائع کرنے چاہیے، جن میں علمی اور عملی فائدہ کی باتیں ہوں ۔ علاوہ ازیں جامع صاحب نے اعتراف بھی کیا ہے کہ انھیں تھانوی صاحب کے ملفوظات میں سینکڑوں باتیں ایسی معلوم

تھیں، جن کو انھوں نے کسی کے سامنے بیان نہیں کیا۔ جب بیان نہیں کیا، تو یقینی بات ہے کہ ان سینکڑوں باتوں کو انہوں نے شائع ہی نہیں کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے تھانوی صاحب کے ملفوظات سے **''پوچ''** اور **''لچر''** یعنی لغو، مہمل، بیہودہ، ذلیل، نیچ، کمینہ، بے وقوفانہ، احمقانہ، بے ربط، بے معنی اور بے تکی حکایات حذف کر دیں یعنی نکال دیں اور ایسی ہی باتیں شائع کیں، جو ان کے گمان میں علمی اور عملی فائدہ پہونچانے والی ہوں۔ المختصر! تھانوی صاحب کے ملفوظات کے ضبط کردہ نے تھانوی صاحب کے ملفوظات سے وہ تمام باتیں حذف کر دیں ○ **جو ناقابل بیان ہوں** ○ **جو ضبط کر کے شائع کرنے کے لائق نہ ہوں** ○ **جو پوچ اور لچر ہوں۔** یعنی تھانوی صاحب کے ملفوظات کے جامع اور ضبط کردہ نے تہذیب اور اخلاق کی سینسر شیپ (Censorship) کی قینچی چلا کر وہ تمام باتیں حذف کر دیں جو تہذیب اور اخلاق سے گری ہوئیں اور فحشیات، لغویات، مہملات اور بیہودہ پن پر مشتمل بے تکی، بے معنی اور بے ربط تھیں۔

لیکن تھانوی صاحب کے ملفوظات اور ان کی سوانح حیات پر شائع شدہ سینکڑوں کتابیں جن کو دیوبندی مکتبۂ فکر کے ناشرین بڑے ہی نظم وضبط سے کثیر تعداد میں شائع کرتے آئے ہیں اور شائع کر رہے ہیں، ان کتب میں فحش، لغو، مہمل، بیہودہ، بے ربط، بے معنی، بے تکی، احمقانہ اور تہذیب و اخلاق سے گری ہوئیں بلکہ گھنونی باتیں اتنی کثرت سے ٹھوس ٹھاس سے بھری ہوئی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ یہ کتابیں مذہبی ہیں یا عربین نائٹس (Arabian nights) کی عشقیہ ناولیں؟ حیرت تو اس بات پر ہے کہ حذف کرنے

کے بعد جب صاف ستھری روایات کا یہ عالم ہے، تو حذفیات کا عالم کیا ہوگا؟

آیئے! دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ جن کو عالمانہ، حکیمانہ، قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی کے سینکڑوں مسائل کا حل، الفاظ کے موتی، حقائق ومعانی کا عطر جاں فزا، گنجینۂ نایاب جواہرات، علمی اعلی تحقیق کا نچوڑ، سلوک وتصوف کے نکات، عقائد اور اعمال کی کوتاہیوں کی اصلاح کا ذریعہ، زندگی کے انقلاب کا سبب، سالکین راہ حق کیلئے وجد آفریں اسرار وغیرہ اوصاف سے متصف کرتے ہیں۔ ان کے ملفوظات اور سوانح حیات کی طبع شدہ کتابوں میں کیا کیا ہے؟ اس کی کچھ جھلکیاں پیش خدمت ہیں:-

''بیوی کو بغل میں لے کر بیٹھ جاؤ، چومو، چاٹو، مذی نکلے گی، بہت مزہ آئے گا''

تھانوی صاحب کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ کوئی شخص بذریعۂ خط ان کو اپنے نجی معاملے کے تعلق سے کوئی استفسار کرتا اور اگر تھانوی صاحب اس کے خط کا جواب لکھتے، تو خط لکھنے کے بعد اپنی محفل میں حاضرین کے سامنے اس کا ذکر کرتے کہ فلاں صاحب کا اس مطلب کا خط آیا تھا اور میں نے اس کا یہ جواب لکھا ہے۔ ایسا تذکرہ کرنے سے تھانوی صاحب کا منشاء صرف یہی ہوتا تھا کہ تھانوی صاحب حاضرین کو اپنی ذہانت، ذکاوت، متانت، دانائی، فہم اور ادراک سے متاثر کر کے اپنے تبحر علمی اور کمال تجربہ کاری

کا لوہا منوانے کی کوشش کرتے تھے۔ تھانوی صاحب کی محفل میں موجود تھانوی صاحب کے چیلے تھانوی کی **''ہاں میں ہاں ملاکر''** تھانوی صاحب کو خوب سراہتے اور چاپلوسی کا حق ادا کرتے ہوئے تعریف کے پُل باندھتے۔ اگر کسی نے تھانوی صاحب کے جواب خط کے ضمن میں تھانوی صاحب سے اتفاقِ کامل کرنے میں تامل کیا یا خط لکھنے والے کی ذرہ برابر طرفداری کی، تو تھانوی صاحب اس کی برابر **''خبر لے لیتے''** اور **''غصہ میں لال ہوکر''** اس پر ایسے **''برس پڑتے''** کہ نہ پوچھو۔ اسے ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ دماغ کا توازن کھو بیٹھتے اور زبان کو بے لگام گھوڑے کی طرح چلانے لگتے بلکہ دوڑانے لگتے اور ایسی فحش کلامی اور حیا سوز جملے سننے میں آتے کہ سننے والا **غیرت سے کٹ جائے۔**

تھانوی صاحب کو ایک شخص نے خط میں یہ شکایت لکھی کہ آپ کی خدمت میں رہ کر جو جمعیت قلب لیکر گھر آیا تھا، وہ رفتہ رفتہ ختم ہوگئی ہے، تھانوی صاحب نے جواب میں لکھا کہ اگر جمعیت قلب کی کیفیت ختم ہوگئی ہے، تو اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے۔ یہ جواب لکھنے کے بعد تھانوی صاحب نے اپنی محفل میں شکایت کا خط اور اس کے جواب کا تذکرہ کیا۔ محفل میں موجود ایک صاحب نے تھانوی صاحب سے کہا کہ نقصان ہوا ہے۔ کیونکہ جو کیفیت نصیب ہوئی تھی، وہ جاتی رہی۔ تھانوی صاحب نے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ کیفیت ختم ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہوا ہے اور یہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ نقصان ہوا ہے۔ یعنی تھانوی صاحب کے جواب کے خلاف کہہ رہے ہیں۔ بس! تھانوی صاحب **''آپے سے باہر ہوگئے''** اور اس شخص کو ایک لوفر اور جاہل کے انداز میں جو جواب دیا ہے، وہ ملاحظہ ہو:-

''لوگ تو کیفیات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور لذت کے طالب ہیں۔ ہے تو فحش بات مگر میں تو اس لذت کی طلب پر یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر مزے ہی کی خواہش ہے تو میاں مزہ تو مذی میں آتا ہے۔ بیوی کو بغل میں لے کر بیٹھ جاؤ، چومو، چاٹو، مذی نکلے گی، بہت مزہ آئیگا۔''

: حوالہ :

(۱) **''کمالات اشرفیہ''**، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو۔پی) سن اشاعت ۱۹۹۵ء، ۴/رمضان ۱۴۱۵ھ یکشنبہ، بعد نماز کی مجلس، **ملفوظ نمبر: ۲۵۳، صفحہ: ۴۱۶**

(۲) **''کمالات اشرفیہ''**، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو۔پی) سن اشاعت ۱۴۲۷ھ، **ملفوظ نمبر: ۲۵۲، صفحہ: ۴۷۰**

(۳) **''کمالات اشرفیہ''**، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یو، پی) **ملفوظ نمبر: ۲۵۰، صفحہ: ۵۴۴**

واہ! تھانوی صاحب، واہ! کہاں کی بات کہاں پہونچادی۔ جس طرح چکّی کا بیل گھوم گھوم کر اپنی اصلی جگہ پر واپس آتا ہے، اسی طرح تھانوی صاحب محفلی گفتگو میں بھی اپنی بات کو گھُما پھرا کر اپنے پسندیدہ (Favourite) عنوان یعنی جنسیاتی گفتگو (Sexy Talk) پر لے آتے اور خاص مذہبی معاملے کو سمجھانے کیلئے ایسی فحش (Vulgar) مثال دیتے کہ سننے والا **''شرم سے پانی ہوجاتا''**۔ مندرجہ بالا واقعہ میں بھی تھانوی صاحب نے **اپنا اصلی رنگ دکھایا ہے۔** خط میں شکایت لکھنے والے نے کسی

جنسیاتی معاملہ کے تعلق سے لطف اندوز ہونے کی کیفیت کا قطعاً کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا بلکہ ایک روحانی کیفیت کے فوت ہونے کی حرماں نصیبی کی شکایت لکھی ہے ۔ تھانوی صاحب کو یہ چاہیے تھا کہ اسے تزکیۂ نفس کی تعلیم فرما کر جمعیت قلب سے عبادت وذکر وشغل کرنے کا مشورہ دیتے ۔تمہارا کوئی نقصان نہیں ۔ایسا جواب لکھنے کے بعد اپنی محفل میں حاضرین کو اپنا خط جو بزعم خویش مدبرانہ، عاقلانہ، دانشمندانہ اور دور اندیشانہ تھا، سنایا، اس پر ایک شخص نے یہ احتمال نکالا کہ کیفیت کے ختم ہونے میں نقصان ہوا ہے اور وہ نقصان یہ ہے کہ جو کیفیت روحانی نصیب ہوئی تھی، وہ جاتی رہی ۔اس پر تھانوی صاحب نے فحش منطق اور بے حیائی پر مشتمل مثال دیتے ہوئے **''حصول کیفیت''** اور **''طلب لذت''** کے تعلق سے کھلے لفظوں میں فرمادیا کہ **''اگر مزے ہی کی خواہش ہے، تو میاں مزہ تو مذی میں ہے۔''** توبہ! توبہ! شرم! شرم کیسی گندی مثال دی ہے ۔**''مزہ تو مذی میں ہے۔''** مذی یعنی شہوت کے غلبہ سے جو پتلا مادہ نکلتا ہے ۔(فیروز اللغات، ص:۱۲۲۳)۔

مرد کو شہوت (Concupiscence) کا غلبہ کب ہوتا ہے، اسکی وضاحت کرنے کی یہاں حاجت نہیں ۔البتہ! جب مرد کو شہوت کا غلبہ ہوتا ہے، تب اس کے عضو مخصوص (آلۂ تناسل) میں طوالت ودرازی آتی ہے اور معمولی سا چکنا اور پتلا پانی سوراخ سے اُبھرتا ہے ۔اور اسی کو ''مذی'' کہتے ہیں ۔الحاصل! مذی شہوت کے غلبہ کی وجہ سے ہی نکلتی ہے ۔تھانوی صاحب نے کیفیت اور طلب لذت کے ضمن میں **''مزہ تو مذی میں ہے''** کہہ کر بے شک ایک گھناؤنی بات کہی ہے ۔اگر تھانوی صاحب اپنے اس جملہ پر ہی اکتفا کرتے ہوئے ٹھہر جاتے اور آگے نہ بڑھتے تو ایک مبہم بات ڈھکے چھپے یا کھلے انداز میں کہلاتی لیکن تھانوی صاحب اتنا کہنے کے بعد رُکے نہیں ۔

بلکہ !!!

بے حیائی اور بے شرمی کی تمام حدود کو پھلانگتے ہوئے اب بند بند اور ڈھکے ڈھکے لفظوں میں نہیں بلکہ عیاں وعریاں لفظوں میں **مذی نکلنے کی ترکیب** سکھا رہے ہیں یعنی تھانوی صاحب حصول کیفیت اور لذت کی طلب کے لیے یہ نسخہ تجویز فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں حصول کیفیت اور طلب لذت کا مزہ حاصل کرنا ہے، تو مزہ تو مذی میں ہے ۔یعنی یہ تمام لذتیں اور مزے تو **''مذی''** میں ہیں ۔اگر تمہیں مذی کی سعادت حاصل ہوگئی تو مذی کے طفیل تمہیں تمام مزے خود بخود حاصل ہوجائیں گے ۔لیکن **''مذی''** کوئی معمولی چیز نہیں کہ آسانی سے دستیاب ہوجائے ۔حصول مذی کیلئے محنت اور ریاضت کرنی پڑتی ہے ۔کسی کا سہارا لینا پڑتا ہے ۔تم اکیلے دکیلے اور تنہا تنہا یہ کام نہیں کرسکتے ۔**''اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا''** والی مثل کے مطابق تمہیں اب اپنی بیگم کا سہارا لینا پڑیگا ۔اور بقول تھانوی صاحب **''بیوی کو بغل میں لے کر بیٹھ جاؤ، چومو، چاٹو''** کی ریاضت کرو اور یہ ریاضت بھی کامل طور پر کرو ۔ صرف بیوی کو بغل میں لے کر بیٹھ جانے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا ۔بیوی کو بغل میں لے کر صرف بیٹھ جانے اور کچھ بھی نہ کرنے سے تمہاری ریاضت ناقص رہ جائیگی ۔مزے کی منزل ملنا مشکل ہوجائیگی ۔بیوی کو بغل میں لے کر چپ چاپ بیٹھے رہنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا ۔یہ ناقص ریاضت کوئی کام کی نہیں ۔لہذا کاہلی چھوڑ کر حرکت میں آجاؤ اور بغل میں بٹھائی ہوئی بیگم کو **''چومو اور چاٹو''** ۔تھانوی صاحب نے **''چومو''** کے ساتھ ساتھ **''چاٹو''** کی بھی قید لگادی ہے ۔یعنی صرف چومنے سے کام نہیں چلے گا ۔چومنے کے ساتھ ساتھ چاٹنا بھی پڑے گا ۔تھانوی صاحب نے چومنا اور چاٹنا مطلق فرمایا ہے ۔ایسی کوئی وضاحت نہیں فرمائی کہ **کیا کیا اور کہاں کہاں چومنا اور چاٹنا پڑے گا** ۔اگر تھانوی صاحب نے

یہ بھی کھل کر اور کھول کر بتا دیا ہوتا، تو اب کسی بات کے استفسار کی ضرورت نہ رہتی۔

تھانوی صاحب نے کیفیات ولذت کی طلب اور حصول کے لیے ایک مخصوص طریقہ تعلیم فرمایا کہ ''بیوی کو بغل میں لے کر بیٹھ جاؤ، چومو اور چاٹو''۔ کتنی مرتبہ اور کتنی دیر تک چومو اور چاٹو، یہ بھی نہیں بتایا۔ البتہ بیوی کو بغل میں لے کر چومو اور ساتھ میں چاٹو بھی ضرور۔ جب یہ عمل تم نے کامل طور سے انجام دے دیا تو تمہاری منزل مقصود کا پہلا طبقہ یعنی **''مذی نکلے گی''** حاصل ہوگا اور جب **''مذی نکلے گی''** تو دوسرا طبقہ **''مزہ آئیگا''** بھی خود بخود حاصل ہو جائیگا۔

''بیوی کو بغل میں لیکر ذکر کیا کریں واللہ بہت لذت آئے گی''

تھانوی صاحب کا ایک مرید جو صوبۂ پنجاب کا باشندہ تھا۔ وہ اپنے پیرو مرشد تھانوی صاحب کی خدمت میں تھانہ بھون آکر چند دنوں مقیم رہا اور گاہے گاہے وہ تھانوی صاحب سے ذکر واذکار اور ورد و وظائف کے اشغال کے تعلق سے کچھ نہ کچھ پوچھتا رہتا تھا۔ ایک روز اس پنجابی مرید نے تھانوی صاحب سے کہا کہ **''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ''** کو عربی زبان میں پڑھنے کے بجائے اسکا **پنجابی زبان میں ترجمہ پڑھنے میں بہت لذت آتی ہے** ۔ اور عجیب حالت طاری ہوتی ہے۔ میرا اس طرح ذکر پڑھنا کیسا ہے؟ پنجابی مرید کے اس استفسار کے جواب میں تھانوی صاحب نے بے محل و بے موقعہ ضعیف اور کمزور دلیل دے کر سمجھانے کی کوشش کی اور پھر یہ کہا کہ اگر ترجمہ پڑھنے کو جی چاہتا تھا تو مجھ سے بلا

پوچھے کیوں شروع کر دیا؟ اس پر اس پنجابی مرید نے کچھ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اپنے پیرو مرشد تھانوی صاحب سے مزید کچھ پوچھا۔ جس کا تھانوی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا اور کچھ بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر کیا ہوا؟ تھانوی صاحب نے کیا کہا ؟ ملاحظہ ہو:-

> **''انھوں نے کچھ تعلیم حاصل کرنی چاہی تو فرمایا کہ اس وقت آپ نے طبیعت کو مکدر کر دیا۔ مجھے یہ حرکت آپ کی سخت ناگوار ہوئی۔ اس وقت بتلانے سے آپ کو کچھ نفع نہیں ہوگا۔ پھر جب وہ اٹھ آئے، تو فرمایا کہ:-**
>
> **لوگوں نے لذت کو مقصود سمجھ رکھا ہے۔ یہ شرک صریح ہو رہا ہے۔ طریق میں اگر لذت ہی مقصود ہے، تو بیوی کو بغل میں لیکر ذکر کیا کریں۔ واللہ بہت لذت آئے گی۔ ایک ضرب تو اِدھر ہو اور ایک ضرب اُدھر۔''**
>
> **: حوالہ :**
>
> (۱) **''حسن العزیز''** (**تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ**) ضبط کردہ: تھانوی صاحب کے خلیفۂ خاص خواجہ عزیز الحسن غوری، باہتمام: مولوی ظہور الحسن کسولوی، ناشر: مکتبۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، مظفر نگر (یو۔پی) جلد: ۱، قسط: ۱۸، ملفوظ نمبر: ۵۰۶، ص: ۱۵۴، مسلسل صفحہ نمبر: ۴۹۸، بار سوم طبع، ۱۹۶۷ء
>
> (۲) **''ملفوظات حکیم الامت'' جلد: ۱۷، ''حسن العزیز''**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد اول، حصہ: دوم، ملفوظ نمبر: ۵۰۶، صفحہ نمبر: ۱۱۸**

قارئین کرام غور فرمائیں کہ تھانوی صاحب نے کہاں کی بات کہاں پہنچائی اور وہ بھی کتنے خطرناک انداز میں اور کیسی فحش مثال دے کر پہنچائی۔ پنجاب کے صوبے کا باشندہ اپنی مادری اور علاقی زبان میں کلمۂ طیبہ کا ترجمہ بطور اللہ کے ذکر اگر پڑھتا ہے، تو کون سا برا کام کرتا ہے۔ غیر عربی زبان میں غیر حالت نماز میں اللہ کا ذکر کرنا ہرگز مذموم و ممنوع نہیں۔ بلکہ مستحسن اور مستحب ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہترین عبادت ہے۔ احادیث کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی تاکید اور ترغیب وارد ہے۔ یہاں پر صرف ایک حدیث شریف پیش خدمت ہے:-

حدیث : "عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ"

حوالہ :

(۱) الجامع الترمذی ، باب ماجاء فی فضل الذکر ، جلد:۲ ، صفحہ:۱۷۳

(۲) المستدرك للحاكم ، جلد : ۱ ،صفحه : ۴۹۵

(۳) المسند لأاحمد بن حنبل ، جلد : ٤ ، صفحه :۱۸۸

(٤) حلية الأولياء لأبی نعيم ، جلد :۹ ، صفحه : ۵۱

(۵) اتحاف السادة للزبيدی ، جلد :۵ ، صفحه: ٦

ترجمہ :

''حضرت عبداللہ بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر میں تر رہے۔''

یعنی تیری زبان ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے۔ اس حدیث میں ہر وقت اور ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے کی تاکید اور ترغیب فرمائی گئی ہے۔ بندہ ہر وقت اپنے خالق حقیقی، مالک حقیقی، رب العالمین جل جلالہ وتبارک وتعالیٰ کے ذکر میں رطب اللسان رہے، اس سے بڑھ کر اور کونسی سعادت ہوسکتی ہے؟ حدیث شریف میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہنے کا ارشاد ہے اور یہ ارشاد مطلق یعنی بلا کسی قید وشرط کے وارد ہے۔ یعنی حدیث شریف میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ صرف عربی زبان میں ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ البتہ عربی زبان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا افضل ہے لیکن غیر عربی زبان میں ذکر اللہ کی ممانعت بھی نہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:-

آیت : "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"

(پارہ:۱۳، سورۃ الرعد، آیت نمبر:۲۸)

ترجمہ : **''سن لو، اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔''** (کنزالایمان)

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر دلوں کا چین ہے، تو یہ ذکر چاہے جس زبان میں کیا جائے یقیناً دل کے چین اور سکون کا باعث ہے۔ ہر آدمی کی اپنی مادری زبان ہوتی ہے اور یہ بھی فطری حقیقت ہے کہ ہر شخص کو اپنی مادری زبان سے اُنس اور لگاؤ ہوتا ہے۔ وہ اپنی مادری زبان میں کہی ہوئی بات کو بمقابل دیگر غیر مادری زبان میں کہی بات سے زیادہ سمجھ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے دلی جذبات کو جس والہانہ انداز سے اپنی مادری زبان میں

بیان کرسکتا ہے، دیگر زبان میں نہیں کرسکتا۔اسی طرح وہ کسی مؤثر بات کا اثر مادری زبان میں قبول کر کے جتنا جلد متأثر ہوتا ہے، شاید ہی کسی اور زبان میں اتنا متأثر ہو۔اللہ تعالی کے ذکر میں ایک نورانی تاثیر اور کیفیت ہوتی ہے، جس کا سیدھا اثر ذکر کرنے والے کے دل پر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صوبۂ پنجاب کے باشندے، تھانوی صاحب کے مرید نے تھانوی صاحب سے کہا کہ ''**کلمۂ طیبہ کو عربی زبان میں پڑھنے کے بجائے اس کا پنجابی زبان میں ترجمہ پڑھنے میں بہت لذت آتی ہے**'' اپنی مادری زبان میں کلمۂ طیبہ کا ترجمہ اس کے دل کو زیادہ متاثر کرتا تھا اور اس اثر اور کیفیت میں اُسے زیادہ لطف حاصل ہوتا تھا۔لہذا پنجابی مرید نے تھانوی صاحب سے پوچھا کہ **میرا اس طرح ذکر کرنا کیسا ہے؟** تھانوی صاحب نے اپنے مرید کے سوال کا اثبات یا نفی میں جواب دینے کے بجائے ایسا خطرناک اور توہین آمیز جواب دیا ہے کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

تھانوی صاحب کے جواب کے ضمن میں مندرجہ ذیل تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:-

❑ سوال پوچھنے والے پنجابی مرید نے صرف اتنا پوچھا تھا کہ کلمۂ طیبہ کا پنجابی زبان میں ترجمہ پڑھنے میں بہت لذت آتی ہے لہذا میرا اس طرح ذکر کرنا کیسا ہے؟ جس کا تھانوی صاحب نے کوئی معقول جواب نہ دیا اور جب پنجابی مرید تھانوی صاحب کی محفل سے اٹھ کر چلا گیا، تو اس کی عدم موجودگی میں اس کی پیٹھ کے پیچھے غیبت کرتے ہوئے حاضرین سے فرمایا کہ ''**لوگوں نے لذت کو مقصود سمجھ رکھا ہے۔ یہ شرکِ صریح ہو رہا ہے**'' یعنی تھانوی صاحب نے ذکر اللہ میں لذت حاصل کرنے کو صرف شرک نہیں بلکہ ''**شرکِ صریح**'' یعنی ''**ظاہر شرک**'' کہا ہے۔

یعنی ایسا شرک کہا ہے کہ جس کے کرنے سے ایمان تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور ایک مسلمان دائرۂ ایمان سے خارج ہو کر کافر اور مشرک ہو جاتا ہے۔

❑ علمائے دیوبند کو ہر بات میں شرک نظر آتا ہے لہذا انھوں نے صدیوں سے عوام المسلمین اور خواص المؤمنین میں رائج بے شمار جائز اور مستحسن کاموں پر شرک کے فتوے صادر کر کے کروڑوں کی تعداد میں اہل ایمان کو کافر اور مشرک قرار دیا ہے۔ جو واقعہ اس وقت زیر بحث و تبصرہ ہے، اس واقعہ کی نوعیت ملاحظہ فرمائیں۔تھانوی صاحب کے پنجابی مرید نے اور کوئی پیچیدہ مسئلہ تو نہیں پوچھا تھا۔صرف یہی تو پوچھا تھا کہ میں کلمۂ طیبہ کو بجائے عربی کے پنجابی زبان میں پڑھتا ہوں، تو مجھے بہت لذت آتی ہے۔لہذا میرا اس طرح ذکر کرنا کیسا ہے؟ لیکن تھانوی صاحب نے بدگمانی اور سوءِ ظن کے مذموم جذبے کے کیف سے سرشار ہو کر شرک کے فتوے کی مشین گن ہی چلادی۔کس پر چلادی؟ اس پر جو کلمۂ طیبہ توحید کا ذکر کر رہا ہے۔اس پر چلادی جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معبود و مسجود سمجھ رہا ہے اور اس کا اقرار کر رہا ہے۔اس پر چلادی جو ماسوا اللہ کے اِلٰہ ہونے یعنی معبود و مسجود ہونے کا صاف انکار کر رہا ہے۔اس پر چلادی جس کا مقصود صرف اور صرف اللہ تعالی کی توحید ہے۔اس پر چلادی جو پرچم توحید بلند کر کے معبودان باطل کی تکذیب و انکار کر رہا ہے۔لیکن شرک کا فتوی صادر کرنے کی کوئی وجہ تو ہو گی؟ ہاں ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اس نے اللہ تعالی کا ذکر غیر عربی زبان میں کر کے لذت حاصل کرنے کا جرم کیا ہے۔کیا یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس کی سزا شرک کا فتوی ہے؟

□ کیا اللہ تعالیٰ کا ذکر غیر عربی زبان میں کرنا شرک ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لذت حاصل کرنا بھی شرک ہے؟ ان دونوں سوالات کے ضمن میں کچھ عرض کرنے سے پہلے قارئین کرام کی خدمت میں ایک مسلّم حقیقت گوش گذار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا یا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو عبادت وپرستش کے لائق سمجھنا۔شرک کا گناہ کفر سے بھی بڑا ہے۔

جب کسی مسلمان سے کوئی ایسا قول وفعل صادر ہوجائے، جس کی بناء پر اس پر حکم کفر نافذ ہوتا ہو، پھر بھی اس پر بلا تأمّل اور بے دھڑک کفر کا فتویٰ نہیں دے دیا جائیگا۔ بلکہ اس کے قول وفعل کی شریعت کے دائرے میں رہ کر مناسب وموزوں تاویل کی جائیگی۔اگر اس کے قول میں ننانوے وجوہات کفر کی نکلتی ہوں اور صرف ایک وجہ ایمان کی اور کفر کی ضد سے بچانے والی نکلتی ہو، تو اس کو کافر کہنے سے کفِ لسان یعنی سکوت اور خاموشی اختیار کرنا لازمی ہے۔

المختصر! حتی الامکان کفر کا حکم نافذ کرنے سے مفتیان کرام احتیاط کریں گے۔الزام کفر، لزوم کفر، قولِ متکلم کی تاویل، نیت قائل، جملے کے الفاظ کے کثیر ومختلف معنوں کی تفتیش، جملے کی بندش کی چھان بین، محاورے اور کہاوت کے استعمال کی صورت میں مفتی کا علاقائی اور صوبائی زبان کی مہارت کا معیار، متکلم کا انداز تکلم وغیرہ لازمی امور کا لحاظ کر کے ہر ممکن کوشش یہی کی جائیگی کہ ایک مومن مسلمان کو حکم کفر سے بچایا جائے۔لیکن....... وہابی، دیوبندی اور تبلیغی

جماعت کے نام نہاد مجدد اور حکیم الامت کہلانے والے تھانوی صاحب کیسی بے احتیاطی بلکہ دلیری اور بلند حوصلہ جرأت سے شرک کا عام حکم نافذ کر رہے ہیں۔

□ صرف اس لیے شرک کا فتویٰ دیا جارہا ہے کہ غیر عربی زبان میں ذکر اللہ کرنے سے لذت آتی ہے۔تھانوی صاحب کے جملے کو پھر ایک مرتبہ دہرایا جائے کہ **”لوگوں نے لذت کو مقصود سمجھ رکھا ہے۔ یہ شرکِ صریح ہو رہا ہے“** اس جملے کو قرآن وحدیث کے فرمودات اور قوانین شریعت کے میزان عدل میں تولنے سے اس کی ایسی گت بنے گی کہ تھانوی صاحب کے متبعین ومحبین کو **”دن میں تارے نظر آنے لگیں گے“**۔لیکن ہم اس بحث کو طول تحریر سے بچانے کی غرضِ حسن سے تھانوی کے مندرجہ بالا جملہ کی تردید وتکذیب میں تھانوی صاحب کی ہی عبارت پیش کرتے ہیں، جو متضاد ہے:-

> **”ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ کیفیات اور ذوق گو لذیذ ہیں مگر مقصود نہیں۔ البتہ مقصود کے معین ہیں اور مقصود میں لذت ضرور نہیں۔ جیسے حکیم اجمل خان صاحب کے نسخہ پر کسی کو وجد نہیں ہوتا۔ مگر نافع ہے۔اسی طرح مقصود جو سیدھی بات ہوتی ہے، اس میں کیفیات نہیں ہوتے اور جہاں یہ کیفیات اور شورش ہیں، وہ باوجود محمود ہونے کے نفسانی حظ ہے، روحانی نہیں اور مقصود میں روحانی حظ ہوتا ہے، مگر لوگ بڑی قدر کرتے ہیں چیخ پکار کی، کود پھاند کی۔ان کے محمود ہونے میں شبہ نہیں۔مقصود ہونے میں کلام ہے۔“**

حوالہ :

(۱) **الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ"** تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبہ دانش، دیوبند (یو۔پی) **جلد:۱، قسط:۲، ملفوظ:۲۳۶، صفحہ:۲۶، مسلسل صفحہ:۱۷۰**

(۲) **الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ"** تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ (جدید ایڈیشن ۱۹۹۹ء) ناشر: مکتبہ دانش، دیوبند (یو۔پی) **جلد:۱، حصہ:۱، ملفوظ:۲۳۶، صفحہ:۲۳۶**

(مجلس خاص بوقت صبح، یوم جمعہ، ۲۰/رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ)

مندرجہ بالا عبارت پر تفصیلی تبصرہ ترک کرتے ہوئے صرف چند اہم نکات عرض ہیں:-

(۱) **تھانوی صاحب اس عبارت میں کہتے ہیں کہ کیفیت اور لذت مقصود کے معین یعنی مقصود حاصل کرنے میں مدد کرتے ہیں۔**

(۲) **مقصود میں کیفیت نہیں ہوتی بلکہ روحانی حظ یعنی روحانی لذت ہوتی ہے۔**

(۳) **کیفیت میں نفسانی حظ یعنی نفسانی لذت ہوتی ہے اور یہ اچھی بات ہے یعنی محمود ہے۔**

لیکن "**حسن العزیز**" کی مقدم پیش کردہ عبارت میں تھانوی صاحب نے ذکر اللہ میں لذت کو صریح یعنی کھلا شرک لکھا ہے۔ ناظرین خود فیصلہ فرمائیں۔

تھانوی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لذت کو مقصود قیاس کر کے صریح شرک کہہ دیا۔ اس کی وجہ کیا ہوئی؟ یعنی ایسا کہنے تک سلسلۂ گفتگو کیوں پہونچا؟ یعنی اس کی ابتداء اور آغاز کہاں سے ہوا؟ یعنی بنیاد کیا ہے؟ جواب بہت ہی آسان ہے کہ تھانوی صاحب کے پنجابی مرید کا سوال۔ اور وہ سوال یہ تھا کہ "**کلمۂ طیبہ کو عربی زبان میں پڑھنے کے بجائے اس کا پنجابی زبان میں ترجمہ پڑھنے میں بہت لذت آتی ہے۔ لہذا**

میرا اس طرح ذکر کرنا کیسا ہے؟" غیر عربی زبان میں کلمۂ طیبہ کا ذکر کرنے کی بات ہی تھانوی صاحب کو ناگوار ہوئی۔ حالانکہ وہ پنجابی مرید کلمۂ طیبہ کا پنجابی زبان میں ذکر غیر حالت نماز میں کرتا تھا۔ ہرگز نماز کی حالت میں غیر عربی زبان میں ذکر نہیں کرتا تھا۔ لیکن تھانوی صاحب کو ناگوار گزرا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر غیر عربی زبان میں ہو۔ شاید تھانوی صاحب کا کوئی معتقد یہ حسنِ ظن رکھتا ہو کہ تھانوی صاحب کو عربی زبان سے گہرا لگاؤ تھا۔ لہذا انھوں نے غیر حالت نماز میں بھی غیر عربی زبان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا پسند نہیں فرمایا۔ لیکن قارئین کرام کو حیرت اور تعجب ہوگا کہ تھانوی صاحب نے حالتِ نماز میں غیر عربی زبان میں دعا کرنے کو منع نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ نماز ہو جائیگی۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیں:-

"واقعہ:- ایک صاحب نے دریافت کیا کہ نماز کے اندر اردو میں دعا کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

ارشاد:- جس دعا سے عربی میں نماز فاسد نہیں ہوتی، اس سے اردو میں بھی فاسد نہ ہوگی۔ مگر یہ فعل مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی۔"

حوالہ :

(۱) "**حسن العزیز**" تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: حکیم مولوی محمد یوسف بجنوری، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو. پی) سن اشاعت: ۱۳۸۵ھ، **جلد:۳، حصہ:۲، قسط:۱۳، صفحہ:۱۴۷، مسلسل صفحہ:۳۸۷**

(۲) "**ملفوظات حکیم الامت" جلد:۱۹، "حسن العزیز"**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد سوم، صفحہ نمبر:۲۴۹**

اب ہم ہمارے اصل موضوع یعنی علمائے دیوبند کی محفلوں میں فحش کلامی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ غیر عربی زبان یعنی پنجابی زبان میں کلمۂ طیبہ پڑھنے والے تھانوی صاحب کے پنجابی مرید کے سوال کے جواب میں تھانوی صاحب نے شرک کا حکم لگایا۔ اس سلسلہ میں مذہبی نقطۂ نظر سے یہاں تک اختصاراً مگر پھر بھی طویل گفتگو ہوئی۔ اس کو پڑھ کر قارئین کرام کو یقین کے درجہ میں علم ہوگیا ہوگا کہ تھانوی صاحب شرک کا فتوی دینے میں جری تھے۔ علاوہ ازیں **"دروغ گورا حافظہ نہ باشد"** والی فارسی مثل کے مطابق "جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا اور جھوٹ بولنے والا اپنے بیان کی خود تردید کر دیتا ہے" کے تھانوی صاحب کامل مصداق تھے۔ لیکن تھانوی صاحب نے ذکر واذکار میں لذت کی طلب اور خواہش کے لیے اپنی خرافاتی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو فحش مثال دی ہے، وہ بے حیائی اور بے شرمی کی تمام سرحدوں کو عبور کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالی کے مقدس ذکر کی توہین وتذلیل کرنے پر مشتمل ہے۔ تھانوی صاحب کے جملے کو دیکھیں کہ **"طریق میں اگر لذت مقصود ہے تو بیوی کو بغل میں لیکر ذکر کیا کریں۔ واللہ بہت لذت آئے گی۔ ایک ضرب تو اِدھر ہو اور ایک ضرب اُدھر"** توبہ! توبہ! کیسی فحش کلامی ہے! اللہ تبارک وتعالی کے مقدس ذکر کا کیسے گستاخانہ اور فاحشانہ انداز میں مذاق اڑایا جا رہا ہے۔

طریقت کے سلسلہ میں ذکر واذکار کے کثیر التعداد طریقے رائج ہیں۔ بزرگان دین اور صوفیائے کرام نے تزکیۃ النفس یعنی نفس کی پاکیزگی کے حصول اور دل کی صفائی کرنے کیلئے مختلف اذکار واشغال تعلیم فرمائے ہیں۔ ان میں سے **ذکر یک ضربی، ذکر دو ضربی، ذکر سہ ضربی** اور **ذکر چہار ضربی** بھی ہیں۔ ان اذکار میں رب تبارک وتعالی کا اسمِ

ذاتی **"اللہ"** کا ذکر کیا جاتا ہے۔ دائیں، بائیں، دل پر اور سامنے ضربیں لگائی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر دو (۲) ضربی ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی ہیئت پر دوزانو بیٹھ کر لفظ **"اللہ"** کو وسط سینہ سے بڑی شدت اور بلند آواز سے نکال کر داہنی طرف ضرب لگائے پھر اسی طریقہ سے بائیں طرف ضرب لگائے۔ المختصر! ان اذکار میں دائیں، بائیں، آگے اور دل پر ضرب لگائی جاتی ہے۔

کثرت سے صوفیائے کرام اور بزرگان دین نے ان اذکار کو اپنے معمولات میں رکھا۔ مذکورہ اذکار کو پابندی سے کرنے والے کو ایک قسم کی روحانی کیفیت اور نورانی لطف کا احساس ہوتا ہے۔ لطف اندوزی کا کیف وسرور محسوس کرنے والے عامل کو ایسی لذت اور قلبی سکون ملتا ہے کہ جس کو وہ احاطۂ الفاظ وبیان میں نہیں لا سکتا۔ لیکن بڑے افسوس اور شرم کی بات ہے کہ تھانوی صاحب اللہ کے ذکر میں لذت ولطف کے حصول کا مذاق اڑاتے ہوئے کیسی فحش اور مذموم مثال دیتے ہیں کہ **"بیوی کو بغل میں لے کر ذکر کیا کریں"**۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ بیوی کو بغل میں لے کر کیوں ذکر کریں؟ اس سوال کا جواب تھانوی صاحب دے رہے ہیں کہ **"واللہ بہت لذت آئے گی"** اب پھر ایک سوال اٹھتا ہے کہ "بہت لذت کیوں آئے گی؟" اس سوال کا بھی جواب تھانوی صاحب نے دے ہی دیا ہے کہ **"ایک ضرب تو ادھر ہو اور ایک ضرب ادھر ہو"**۔

ضرب کے لغوی معنی **(۱) مار (۲) چوٹ (۳) دھکّا** وغیرہ ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں صوفیائے کرام کا کسی اسم یا کلمے کو خاص زور اور جھٹکے کے ساتھ پڑھنا جس سے دل پر چوٹ لگے۔ اس فعل کو بھی ضرب کہتے ہیں (بحوالہ:- **فیروز اللغات، صفحہ: ۸۶۹**)۔

جب تھانوی صاحب بیوی کو بغل میں لے کر ذکر کرنے کا حکم صادر فرماتے ہیں، تو ذکر کے وقت بیوی کو بغل میں کیوں بٹھائیں؟ کیا بیوی بغل میں بیٹھے گی، تو اللہ کا خوف زیادہ طاری ہوگا؟ بیوی کو بغل میں بٹھا کر کیا کریں؟ تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ **ایک ضرب تو ادھر ہو** یعنی اللہ کے ذکر کی ایک ضرب ادھر لگائیں۔ پھر کیا کریں؟ بقول تھانوی صاحب ''**اور ایک ضرب اُدھر ہو**'' یعنی بیوی کی طرف ہو۔ اور وہ ضرب کس طرح ہو؟ کیا ہنٹر یا ہاکی کی ضرب ہو؟ ارے نہیں۔نہیں !! توبہ.... توبہ..... کیا کہہ رہے ہو ؟ کیا بیوی کو ہنٹر اور ہاکی سے پیٹنے کا سوچتے ہو؟ غلط سوچا......سراسر غلط سوچا۔ اگر ذکر کرتے کرتے بیوی کو پیٹا تو پھر کیا لذت ملے گی؟ ہمیں تو ذکر بھی کرنا ہے اور ساتھ میں لذت بھی حاصل کرنی ہے اور لذت حاصل کرنے کے لیے ہی تو بیوی کو بغل میں بٹھایا ہے۔ ''**واللہ! بہت لذت آئے گی**''۔ تھانوی صاحب ''**واللہ**'' کہہ کر اللہ تعالی کی قسم کھاتے ہیں کہ ''**اگر بیوی کو بغل میں بٹھا کر ذکر کروگے تو اللہ تعالی کی قسم! بہت لذت آئے گی۔**'' اور لذت حاصل کرنے کے لیے تھانوی صاحب نے طریقہ بھی بتادیا کہ ''**ضرب لگاؤ**''۔ مار پیٹ کی ضرب ہرگز نہ ہو۔ بلکہ.....؟؟ لذت حاصل ہو ایسی ضرب لگاؤ۔ ساتھ میں اللہ کے ذکر کی بھی ضرب لگاؤ۔ ''**ایک پنتھ۔ دو کاج**'' والی مثل پر عمل ہو جائیگا۔ اِدھر اللہ کے ذکر کی ضرب ہو اور اُدھر بیگم کو ضرب ہو۔ لیکن تھانوی صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ بیگم کو ضرب کیسی؟ کس سے؟ کیوں؟ کس طرح؟ کتنی؟ کتنے زور سے؟ لگائیں تاکہ لذت ملے اور ایسی لذت ملے کہ خدا کی قسم کھا کر کہہ سکیں کہ ہاں! واقعی بہت لذت آئی۔

چھی! چھی! تف ہے!! صد نفرین اور ملامت ہے!!! ہزار پھٹکار ہے ایسی گندی ذہنیت پر!!! فٹ پاتھ کا موالی اور لوفر بھی اللہ تبارک وتعالی کے مقدس ذکر کے لیے ایسی مثال دیتے ہوئے لرز اور تھرّا جائے گا لیکن وہابی تبلیغی جماعت کا نام نہاد مجدد ایسی پھوہڑ مثال دے کر بزعم خویش اپنی ذہانت و ذکاوت کا مظاہرہ اپنی محفل میں کر رہا ہے اور اس کے بیوقوف چمچے ایسی بیہودہ اور بے حیائی پر مشتمل بات مذہبی کتابوں میں شائع کرتے ہیں اور تھانوی صاحب کی علمی جلالت کا لوہا منوانے کی مضحکہ خیز حرکت کرتے ہیں۔

مزہ تو مذی نکلنے میں آتا ہے
لوہے کے چنے چبانے میں مزہ کہاں؟

اس سے پہلے ''**کمالات اشرفیہ**'' کے حوالے سے ایک عبارت پیش کی گئی، جس میں تھانوی صاحب نے کیفیات اور طلب لذت کے تعلق سے جو کہا تھا، وہی فحش بات یعنی ''**مذی نکلنے میں مزہ آتا ہے**'' والی بات اعمال کی کوتاہیاں اور حال و وجد کے ضمن میں کہی ہے۔ تھانوی صاحب پر فحشیات کا ایسا خبط سوار تھا کہ ذکر اللہ، اعمال صالحہ، اذکار کی کیفیت، ورد و وظائف کے حال اور وجد وغیرہ نیکی اور پاکیزگی کے کاموں کیلئے بھی فحش اور بے حیائی و بے شرمی پر مشتمل مثالیں دے کر تہذیب و اخلاق کا بھری محفل میں قتل کرتے تھے۔

اب ہم ''حسن العزیز'' کے حوالے سے ایک عبارت ایسی پیش خدمت کرتے ہیں کہ عمل میں لوگوں کی کوتاہیوں کے تعلق سے تھانوی صاحب نے فرمایا کہ بڑے بڑے بزرگ بھی عمل کی کوتاہی میں مبتلا ہونے کے باوجود حال اور وجد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور عمل خیر میں بھی مزہ اور لذت حاصل ہونے کے آرزومند ہیں۔ حالانکہ زبان سے اللہ کا ذکر کرنا وجد اور استغراق کی حالت سے افضل ہے لیکن عمل اس سے بھی افضل ہے۔ لیکن لوگ عمل کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ کیونکہ عمل دشوار ہے اور اس کے کرنے سے لوگوں کی جان نکلتی ہے یعنی عمل سے گھبراہٹ ہوتی ہے اور عمل کرنے میں مزہ نہیں آتا۔ البتہ لوگوں کو وجد اور استغراق کی کیفیت میں مزہ آتا ہے۔ اس پر طنز اور طعنہ کرتے ہوئے تھانوی صاحب نے جو فحش مثال دی ہے وہ ذیل میں لفظ بلفظ پیش خدمت ہے:-

> **''بڑے بڑے بزرگ مبتلا ہیں اس میں۔ عمل میں تو لوگ کوتاہیاں کرتے ہیں اور احوال ومواجید کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ اعمال کے سامنے احوال کوئی چیز نہیں۔ دیکھئے سب سے بڑھ کر حالت استغراق کی ہے۔ بتصریح اکابر ذکر لسانی اس سے افضل ہے۔ سو عمل اتنی بڑی چیز ہے مگر اس سے جان نکلتی ہے لوگوں کی۔ بس یہی کہتے ہیں کہ مزہ تو آتا نہیں ہے۔ میں نے اس پر کہا تھا کہ مزہ تو مذی نکلنے میں آتا ہے، لوہے کے چنے چبانے میں مزہ کہاں''**

حوالہ :

(۱) ''**حسن العزیز**'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: مولوی حکیم محمد یوسف بجنوری، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو. پی) سن اشاعت: ۱۳۶۸ھ، بار دوم، **جلد:۳، حصہ:۳۰، قسط:۱۴، صفحہ:۶، مسلسل صفحہ:۴۸۶**

(۲) ''**ملفوظات حکیم الامت**'' **جلد: ۱۹ میں شامل کتاب ''حسن العزیز''**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد سوم، صفحہ نمبر: ۳۰۶**

حل لغت :

(۱) **احوال** = حال کی جمع، کیفیتیں، حالات، سرگزشت۔

(حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ:۴۷)

(۲) **مواجید** = وجد کی جمع، وجد یعنی بے خودی کی حالت، حال، جذبہ، بے انداز خوشی، صوفیوں کی اصطلاح میں وہ حالت بیخودی جو بعض اشخاص کو سماع سے ہوتی ہے۔ (فیروز اللغات، صفحہ:۱۴۰۶)

(۳) **استغراق** = محویت، کسی خیال میں ڈوب جانا، خدا کی یاد میں محو ہو جانا۔

(فیروز اللغات، صفحہ:۹۱)

(۴) **جان نکلنا** = دم نکلنا، مرنا، گھبرانا، بزدلی دکھانا۔ (فیروز اللغات، صفحہ:۴۴۷)

مندرجہ بالا عبارت میں تھانوی صاحب نے حسب ذیل باتیں کہی ہیں:-

- **بڑے بڑے بزرگ بھی عمل کی کوتاہی میں مبتلا ہیں اور احوال و مواجید کے پیچھے پڑے ہیں۔**
- **عمل کے مقابل حال کی کوئی حیثیت نہیں اور حال میں استغراق کی حالت بہتر ہے۔**
- **استغراق سے بھی افضل زبان سے ذکر کرنا ہے۔**
- **عمل بڑی چیز ہے لیکن عمل سے لوگ بزدلی کرتے ہیں اور گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں۔**
- **عمل کرنے میں لوگوں کو مزہ نہیں آتا۔**

اتنا کہنے کے بعد اب تھانوی صاحب اپنا اصلی روپ دکھاتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں مزہ حاصل کرنے کی خواہش کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ **"مزہ تو مذی نکلنے میں آتا ہے"**۔ یعنی اگر مزہ حاصل کرنا ہے، تو اللہ کے ذکر میں وجد کی حالت پیدا کرنے سے مزہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اگر مزہ حاصل کرنا ہے تو **"مذی"** کو نکالو۔ مذی نکلے گی تو ہی مزہ آئے گا۔ عمل کرنا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔ اس میں خاک مزہ ملے گا؟ یہ کام بڑا مشکل ہے۔ آسان ترکیب ہم سکھاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ **مذی خارج کرو۔** اس کے خارج ہوتے ہی مزہ آئیگا۔ قارئین غور فرمائیں کہ اللہ کے ذکر میں وجد کی کیفیت کا تمسخر کرتے ہوئے وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے نام نہاد حکیم الامت تھانوی صاحب کیسی فحش اور حیا سوز مثال دے رہے ہیں۔ توبہ ..... توبہ .....!!!

مزا ذکر میں کہاں؟ مزا تو مذی میں ہوتا ہے جو بیوی سے ملاعبت کے وقت خارج ہوتی ہے

اس عنوان کے قبل دو عنوانات **"کمالاتِ اشرفیہ"** اور **"حسن العزیز"** سے ملاحظہ فرمائیں۔ اب **"الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ"** کے حوالے سے ایسی پانچ عبارات پیش کی جارہی ہیں کہ تھانوی صاحب ہمیشہ ذکر اللہ میں مزہ اور لطف حاصل کرنے کی خواہش کرنے والوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے یہی کہتے تھے کہ ذکر میں مزہ کہاں ڈھونڈھتے ہو؟ مزا تو بیوی سے ملاعبت کرتے وقت خارج ہونے والی مذی میں ہے۔ تھانوی صاحب نے ایک یا دو مرتبہ اتفاقیہ یہ جملہ نہیں کہا بلکہ یہ جملہ **"تکیہ کلام"** کے طور پر تھانوی صاحب ہمیشہ بولتے تھے اور اللہ کے مقدس ذکر کی توہین وتذلیل بلکہ تمسخر کرتے تھے۔ تھانوی صاحب میں **شہوت نفسانی کا فاسد مادّہ (Sex Mania)** اتنی کثرت سے تھا کہ ہر وقت ان کے دماغ پر شہوت کا بھوت سوار رہتا تھا اور ان کو ہر بات اور ہر چیز میں شہوت کا ہی خیال آتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقدس ذکر کے لیے بھی وہ شہوت پر مشتمل اور شہوت سے تعلق رکھنے والی فحش مثالیں دیتے تھے۔ ذیل میں تھانوی صاحب کی پانچ مجلسوں میں مندرجہ بالا جملہ یعنی **"مزا ذکر میں کہاں، مزا تو مذی میں ہے"** مرقوم ہے:-

(۱) یکم رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ - سنیچر، بعد نماز ظہر کی مجلس

(۲) ۲۸، رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ سنیچر، صبح کی مجلس

(۳) ۲۲، ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ، سنیچر، بعد نماز ظہر کی مجلس

(۴) ۳۰، جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ سنیچر، بعد نماز ظہر کی مجلس

(۵) ۱۱، جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ جمعرات، صبح کے وقت کی مجلس

یعنی صرف سات (۷) ماہ اور گیارہ (۱۱) دن کے عرصۂ قلیل میں تھانوی صاحب نے اپنی مختلف مجالس میں یہ فحش جملہ پانچ (۵) مرتبہ ارشاد فرمایا ہے، یعنی ایک سال سے بھی کم عرصہ میں۔ عبارات مع حوالہ ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱)

۱؍رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ۔ سنیچر، بعد نماز ظہر کی مجلس

"فرمایا کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا۔ میں نے کہا۔ مزہ تو مذی میں ہے۔ یہاں کہاں ڈھونڈتے پھرتے ہو"

حوالہ :

(۱) "**الافاضنات الیومیہ من الافادات القومیہ**" تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ: ناشر:۔ مکتبہ دانش۔ دیوبند (یو۔پی) سن طباعت:۔ ۱۹۸۶ء **جلد-۱، قسط-۱، ملفوظ:۹۳، صفحہ:۵۲**

(۲) "**الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ**" تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر:۔ مکتبہ دانش، دیوبند (یو۔پی) جدید ایڈیشن، سن طباعت، ۱۹۹۹ء۔ **جلد-۱، حصہ-۱، ملفوظ۹۳، صفحہ:۷۱**

(۲)

۲۸؍رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ سنیچر۔ مجلس بوقت صبح

"ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے شکایت کی کہ ذکر میں جو پہلے مزا آتا تھا، اب نہیں آتا، میں نے کہا کہ میاں! مزا تو مذی میں ہوتا ہے۔ یہاں کہاں مزا ڈھونڈتے پھرتے ہو۔"

حوالہ :

(۱) "**الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ**" تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) سن طباعت ۱۹۸۶ء، **جلد۱، قسط۲، ملفوظ:۵۳۴، ص:۱۱۶، مسلسل صفحہ:۲۶۰**

(۲) "**الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ**" تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) جدید ایڈیشن سن طباعت ۱۹۹۹ء، **جلد:۱، حصہ:۱، ملفوظ:۵۳۳، ص:۳۶۷**

==================================

۲۲؍ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ، جمعہ۔ مجلس بعد نماز جمعہ

"ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ذکر میں مزا نہیں آتا، میں نے کہا کہ مزا ذکر میں کہاں، مزا تو مذی میں ہوتا ہے، جو بیوی سے ملاعبت کے وقت خارج ہوتی ہے، یہاں کہاں مزا ڈھونڈتے پھرتے ہو۔"

حوالہ :

(۱) ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) سن طباعت ۱۹۸۹ء، جلد:۳،قسط:۱۳، ملفوظ:۴۵۸،ص:۹۳،مسلسل صفحہ:۳۱۷

(۲) ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) جدید ایڈیشن سن طباعت ۲۰۰۰ء، جلد:۳،حصہ:۶،ملفوظ:۴۲،صفحہ:۳۵

==================================

(۴)

۳۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ-سنیچر-مجلس بعد نماز ظہر

''ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں ذکر کرتا ہوں، مزا نہیں آتا، میں نے عرفی تہذیب چھوڑ کر کہا کہ مزا تو مذی میں ہوتا ہے۔ ذکر میں مزا کہاں ڈھونڈتا پھرتا ہے۔''

حوالہ :

(۱) ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر:مکتبۂ دانش، دیوبند(یوپی) سن طباعت ۱۹۸۹ء، جلد:۳میں جلد:۴،قسط:۱،مسلسل قسط:۱۶، ملفوظ:۵۸،ص:۴۰

(۲) ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر:مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) جدید ایڈیشن سن طباعت ۱۹۹۹ء،جلد:۴،حصہ:۷،ملفوظ:۸۰،صفحہ:۵۸

(۵)

۱۱/جمادی الثانی ۱۳۵۱ھ جمعرات مجلس بوقت صبح

''ایک شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ ذکر میں مزا نہیں آتا۔ میں نے مزاحاً کہا کہ مزا تو مذی میں آیا کرتا ہے۔ یہاں ذکر میں مزا کہاں ڈھونڈتے پھرتے ہو۔''

حوالہ :

(۱) ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) سن طباعت ۱۹۸۹ء، جلد: ۳ میں جلد: ۴، قسط:۲، مسلسل قسط : ۱۷، صفحہ:۴۲، مسلسل صفحہ:۱۵۴

(۲) ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) جدید ایڈیشن سن طباعت ۱۹۹۹ء، جلد:۴، حصہ:۷، ملفوظ:۳۱۰، ص:۲۰۶

==================================

”پرانی جورو امّاں ہو جاتی ہے“

تھانوی صاحب نے دو شادیاں کی تھیں، ان کی دونوں بیگمات کو تہذیب کے دائرے میں رہ کر ہی مخاطب کریں گے، (۱) پہلی بیوی صاحبہ یعنی بیگم قدیم کو بڑی پیرانی یا **پرانی جورو** (۲) دوسری بیوی صاحبہ یعنی بیگم جدید کو چھوٹی پیرانی یا نئی جورو سے مخاطب کریں گے۔ دو شادیاں کرنے کے باوجود تھانوی صاحب باپ نہ بن سکے۔ دونوں بیگمات بانجھ کی بانجھ ہی رہیں۔ دونوں کی گود گوہر اولاد سے محروم اور سونی رہی۔ تھانوی صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل کتب کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول اولاد کیلئے تھانوی صاحب نے **خوب ہاتھ پاؤں مارے**۔ مگر اولاد کا سکھ نصیب میں نہ تھا۔ حکیموں اور ڈاکٹروں سے علاج معالجہ کرنے میں بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ بیگم کو لے کر بغرض علاج کانپور کا سفر بھی کیا۔ مگر ناامیدی اور محرومی ہی حاصل ہوئی۔ اب یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ طبّی (**Medical Reason**) کیا تھی؟ دونوں بیگمات میں کوئی نقص تھا یا تھانوی صاحب میں کوئی کمی یا خامی تھی۔ دو۔ دو گھوڑوں پر سوار ہونے کے باوجود منزل نہ مل سکی۔ خیر! جو بھی ہو۔ لیکن ایک بات ضرور تھی کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے تھانوی صاحب کے دماغ پر اس کا اثر ہوا تھا اور وہ بات بات میں بلکہ دینی مسائل، ذکر و اشغال اور وعظ و نصیحت میں جنسیاتی جذبات (**Sexual Urge**) اور فحاشی پر مشتمل امثال دینے میں اور فحش کلام کرنے میں کسی قسم کی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

”لوگ اس کی بڑی شکایت کرتے ہیں کہ ذکر و شغل میں پہلے لطف آتا تھا، جوش و خروش ہوتا تھا، اب نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے کسی نے یہی شکایت کی تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ بھائی جانتے ہو، خبر بھی ہے کہ پرانی جورو امّاں ہو جاتی ہے۔“

حوالہ :

(۱) ”**حسن العزیز**“ تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ: مرتب: مولوی حکیم محمد یوسف بجنوری، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو. پی) سن اشاعت ۱۳۸۵ھ، بار دوم، **جلد: ۳، حصہ: ۲، قسط: ۱۳، صفحہ: ۲۳۵، مسلسل صفحہ: ۴۷۵**

(۲) ”ملفوظات حکیم الامت“ جلد: ۱۹ میں شامل کتاب ”حسن العزیز“، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد سوم، صفحہ نمبر: ۳۰۴**

تھانوی صاحب علم جنسیات یعنی مرد اور عورت کے جسمانی اور شہواتی تعلق کے تجربات کی شرح کرتے ہیں کہ شادی کے فوراً بعد مرد کوئی دولہن کی طرف رغبت اور میلان بہت زیادہ ہوتا ہے اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ ازدواجی زندگی کے تقاضے پورے کرتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد اس میں پہلے جیسا جوش اور میلان نہیں ہوتا۔

یہ ایک فطری بات ہے اور یہ جسمانی شہوت سے تعلق رکھنے والا معاملہ ہے۔ عدم جوش اور عدم میلان شہوت کے زمانے میں ترک جماع یا قلت جماع کے عرصہ میں

بھی اس کی بیوی اس کی والدہ (اماں) نہیں بن جاتی بلکہ بیوی ہی رہتی ہے۔ اپنی بیوی کو اماں (والدہ) کہنے والے سے بڑھ کر شاید ہی کوئی بیوقوف ہوگا۔ لیکن تھانوی صاحب پرانی بیوی کو اماں کہہ کر ''**احمق اعظم**'' کے لقب کو اپنے لیے موزوں اور مناسب قرار دیتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ پرانی جورو ہرگز اماں نہیں ہو جاتی۔ اس کو اماں قرار دینا ہی سراسر غلط ہے۔ دوسری بات یہ کہ فرض کرو کہ اگر بقول تھانوی صاحب پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے، پھر بھی ذکر اللہ کے لیے اس کی تمثیل دینا اللہ تعالی کے ذکر کا تمسخر اور توہین ہے۔

علاوہ ازیں تھانوی صاحب نے ''**پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے**'' والا جملہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی طرف منسوب کیا ہے۔ تھانوی صاحب کی ایک جعل سازی یہ بھی ہوا کرتی تھی کہ وہ ایسی نازیبا باتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کر کے بزعم خویش بری الذمہ ہو جاتے تھے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ جملہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے واقعی کہا ہی ہے۔ تو ان کا یہ کہنا غلط ہے۔ لیکن اسوقت تو یہ جملہ خود تھانوی صاحب کہہ رہے ہیں۔ کیا تھانوی صاحب میں اتنی بھی عقل اور تمیز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ایسا نازیبا اور مذموم جملہ بطور مثال فرما رہے ہیں۔

''**پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے**'' یہ جملہ بھی تھانوی صاحب بطور ''**تکیہ کلام**'' بڑے شوق سے گاہے گاہے اپنی مجلسوں میں اور گفتگو میں استعمال کرتے تھے۔ عورت کے تعلق سے ایسے مختلف لغو اور فحش جملے استعمال کرنے میں تھانوی صاحب کو نہ معلوم کیا لطف آتا تھا۔ یہ جملہ بھی تھانوی صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل کئی کتب میں متفرق مجالس کے ضمن میں مرقوم ملفوظات میں دستیاب ہے۔ قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر صرف دو حوالوں کی نشاندہی بغیر نقل عبارت ذیل میں درج ہے:

(۱) ''**الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ**'' ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) سن طباعت ۱۹۹۰ء، **جلد: ۴، قسط: ۵، مسلسل قسط: ۲۰، ملفوظ: ۹۷۲، صفحہ: ۵۸، مسلسل صفحہ: ۵۰۶**۔ (۱۸ رشعبان المعظم ۱۳۵۱ھ یوم شنبہ، مجلس بعد نماز ظہر)

▣ ایضاً۔ جدید ایڈیشن۔ سن طباعت ۱۹۹۹ء، **جلد: ۴، حصہ: ۸، ملفوظ: ۴۴۲، صفحہ: ۳۴۱**

(۲) ''**الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ**'' ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) سن طباعت ۱۹۸۶ء، **جلد: ۱، قسط: ۲، ملفوظ: ۵۳۴، ص ۱۱۶، مسلسل ص: ۲۶۰** (۲۸ ر رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ یوم شنبہ، مجلس بوقت صبح)

▣ ایضاً۔ جدید ایڈیشن۔ سن طباعت ۱۹۹۹ء، **جلد: ۱، حصہ: ۱، ملفوظ: ۵۳۳، صفحہ: ۳۶۷**

زوجہ 'بیوی' بیگم، گھر والی، جورو، پتنی، وائف، اہلیہ، عورت، استری، خاتون، زن، مہیلا، لیڈی، مادہ، مؤنث، ناری، منکوحہ وغیرہ کے تعلق سے اور جنسیاتی تعلقات کی عکاسی کرنے والی مثالیں اور لغو حکایات بیان کرنے میں تھانوی صاحب اتنے بیباک اور جری تھے کہ بھری مجلس میں تہذیب و اخلاق اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر اس کا چرچا کرتے تھے۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دینی مسائل، مذہبی اخلاق، مسئلہ کا جواب، ذکر و اشغال وغیرہ جیسے مذہبی معاملات میں بھی تھانوی صاحب کھینچ تان کر اور بے محل و موقعہ فحش اور لغویات بطور مثال و نصیحت بیان کرتے تھے۔ اندھی عقیدت رکھنے والے بیوقوف حاضرین سنتے تھے اور واہ واہ کرتے تھے اور عقل و فہم کا دیوالہ پھونک چکنے والے چمچے اس کو قلمبند کرتے تھے اور ''**عقل کے اندھے گانٹھ کے پورے**'' ناشرین اسے اسلام کی اعلیٰ خدمت کے زعم میں شائع کرتے تھے۔

جیسا کہ اوراق سابقہ میں عرض کیا گیا کہ ''**جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا اور جھوٹ بولنے والا اپنے بیان کی خود ہی تردید کرتا ہے**'' تھانوی صاحب کا بھی یہی حال ہے۔ ''**حسن العزیز**'' کی زیر بحث اس عبارت میں تھانوی صاحب نے پرانی جورو کو اماں کہا ہے لیکن ''**کمالات اشرفیہ**'' میں ایک عبارت ایسی دستیاب ہے کہ تھانوی صاحب نے پرانی جورو کے لیے کہا ہے کہ پرانی جورو میں اُنس بڑھ جاتا ہے، قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر وہ عبارت ہم پیش خدمت کریں اس کے قبل ایک ضروری امر کی طرف بھی توجہ دے رہے کہ۔

بقول تھانوی صاحب اگر پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے، تو تھانوی صاحب کے زنان خانہ میں دو (۲) بیگمات جلوہ افروز تھیں۔ پہلی بہت پرانی جورو تھی اور دوسری بہت کمسن اور نئی تھی۔ تو کیا تھانوی صاحب کی پہلی بیوی پرانی جورو ہونے کی وجہ سے بقول خود تھانوی صاحب کی اماں کہلائی جائے گی؟

پرانی جورو سے اُنس میں اضافہ ہوتا ہے

''فرمایا کہ بہت لوگ حرارت عزیزیہ کی مستی کو روحانی لذت سمجھ لیتے ہیں، ان کو بڑھاپے میں اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس وقت حرارت عزیزیہ کم ہو جاتی ہے۔ اور جس کو جوانی میں روحانی لذّت حاصل ہو چکی ہے، بڑھاپے میں اس کی لذّت کم

نہیں ہوتی۔ جیسے پرانی جورو سے اُنس میں زیادتی ہوتی ہے۔''

حوالہ :

(۱) ''**کمالات اشرفیہ**'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی (خلیفۂ تھانوی صاحب)، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی) سن اشاعت ۱۹۹۵ء۔ باب: ۱، ملفوظ: ۱۱۸، صفحہ: ۴۹

(۲) ''**کمالات اشرفیہ**''، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفرنگر (یو۔پی) سن اشاعت ۱۴۲۷ھ، **ملفوظ نمبر: ۱۱۸، صفحہ: ۵۵**

(۳) ''**کمالات اشرفیہ**''، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یو۔پی) **ملفوظ نمبر: ۱۱۳، صفحہ: ۶۸**

حل لغت:۔

(۱) حرارت عزیزی = بدن کی قدرتی گرمی (حوالہ: فیروز اللغات، ۵۶۵)

Natural Heat of Body

(urdu English Dictionari-by Dr:- A. Haq Page-1044)

(۲) اُنس = محبت، پیار، اختلاط، رغبت، میل جول (حوالہ: فیروز اللغات، ۱۳۰)

''کاش! میں عورت ہوتا اور تھانوی صاحب کی بیوی ہوتا''

عنوان کی سرخی پڑھ کر ہر ذی شعور اور مہذب شخص حیرت اور تعجب سے دوچار ہوا ہوگا۔ کیونکہ اس سرخی میں لفظ ''**ہوتا**'' اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تمنّا کسی حسن کی پری نے نہیں بلکہ ایک مرد نے کی ہے۔ یعنی ایک موچھ مروڑا موچھندر خود اپنی موچھیں اُکھڑوانے کی خواہش کرتا ہے اور پردہ نشین خاتون بن کر تھانوی صاحب کی ہم بستر ہونے کی تمنا کرتا ہے، قرآن مجید میں " **اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ** " (پارہ:۵، سورۃ النّساء، آیت:۳۴)۔ ترجمہ: ''**مرد افسر ہیں عورتوں پر**'' سے جو فضیلت مردوں کو عنایت فرمائی ہے، وہ فضیلت اور افسری کو تھانوی صاحب کی محبت میں قربان کر کے، شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھانے والے مردوں کی جماعت سے خارج ہوکر، میدانِ جنگ میں تلواروں چقاچاق اور جھنکار سے اُٹھنے والی چنگاریوں سے فضا گرم کرنے کے بجائے تھانوی صاحب کا بستر گرم کرنے کے لیے تھانوی صاحب کی منکوحہ اور بیگم بننے کی تمنا کرنے والا **ایک انوکھا مرد** واقعی قابل صد تعجب وحیرت ہے۔ ایسی بیہودہ خواہش اور تمنّا کرنے والا کوئی عامی، جاہل، دیہاتی، آدمی نہیں تھا بلکہ پڑھا لکھا گریجویٹ (Graduate) شخص ہے، جو ایک زمانہ میں **ڈپٹی کلکٹر** (Deputy Collector) کے اعلیٰ منصب پر رہ کر رعایا پر حکمرانی کرتا تھا اور ریٹائرڈ (Retired) ہونے کے بعد تھانوی صاحب کی خدمت میں سکونت

پذیر ہوا تھا اور تھانوی صاحب نے ان کو خلافت سے بھی نوازا تھا۔ پہلے تمنا کرنے کا مستند حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔ بعدہ تبصرہ اور تمنا کرنے والے کا مختصر تعارف پیش ہوگا:۔

''ایک بار عشق ومحبت کے جوش میں حضرت والا سے بہت جھجکتے اور شرماتے ہوئے دبی زبان سے عرض کیا کہ حضرت! ایک بہت ہی بیہودہ خیال دل میں بار بار آتا ہے۔ جس کو ظاہر کرتے ہوئے بھی نہایت شرم دامن گیر ہوتی ہے اور جرأت نہیں پڑتی۔ حضرت والا اُس وقت نماز کے لیے اپنی سہ دری سے اُٹھ کر مسجد کے اندر تشریف لے جارہے تھے۔ فرمایا: کہیے کہیے! احقر نے غایت شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کیا کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ کاش میں عورت ہوتا، حضور کے نکاح میں۔ اس اظہارِ محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہوکر بے اختیار ہنسنے لگے اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے۔ یہ آپ کی محبت ہے۔ ثواب ملیگا۔ ثواب ملیگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ''

حوالہ :

(۱) ''**اشرف السوانح**'' مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، از اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یوپی)، طباعت بار چہارم ۱۳۰۷ھ، **جلد:۲، صفحہ:۲۸**

(۲) ''**اشرف السوانح**'' مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، از اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد:۲، صفحہ:۷۰**

تھانوی صاحب کی بیوی بننے کی تمنا کرنے والے خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری تھانوی صاحب کے مرید خاص بلکہ سب سے زیادہ چہیتے اور محبوب مرید تھے۔ علاوہ ازیں عزیز الحسن صاحب کا شمار تھانوی صاحب کے اجلّۂ خلفاء میں ہوتا ہے۔ جناب عزیز الحسن صاحب نے تھانوی صاحب کے انتقال تک سفر وحضر میں سایہ کی طرح ساتھ دیا اور ہر وقت کاغذ اور قلم لے کر حاضر خدمت رہتے تھے اور تھانوی صاحب کے ملفوظات اور حالات زندگی قلمبند کرتے رہتے تھے ⊙ **اشرف السوانح**، تین (۳) جلدوں میں ⊙ **خاتمۃ السوانح**، ایک (۱) جلد میں اور ⊙ **حسن العزیز**، چار (۴) جلدوں میں، یہ تمام کتب تھانوی صاحب کی سوانح حیات اور ملفوظات اور روز مرّہ کے حالات کی تفصیل پر مشتمل ہیں اور یہ تمام کتابیں عزیز الحسن غوری صاحب کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ انھوں نے بڑی محبت وعرق ریزی سے یہ تمام کتب تصنیف وتالیف کی ہیں۔

عزیز الحسن صاحب نے تھانوی صاحب کے دست باطل پرست پر بیعت کی تھی۔ لہذا وہ تھانوی صاحب کے مرید تھے یعنی تھانوی صاحب اور عزیز الحسن کا رشتہ ''**پیرومرید کا رشتہ**'' تھا۔ عزیز الحسن صاحب اپنے پیرومرشد تھانوی صاحب کے عاشق زار تھے۔ پیر اور مرید کے درمیان جو رشتہ ہوتا ہے وہ ''**روحانی رشتہ**'' ہوتا ہے۔ ایک سچا مرید اپنے پیر ومرشد کی محبت اور عشق میں آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے اور وہ ''**فنافی الشیخ**'' کی منزل تک پہونچ کر اپنی مراد حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن عزیز الحسن صاحب اپنے پیرومرشد کے عشق ومحبت میں اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ ان کو ''**فنافی الشیخ**'' کی منزل کے بجائے ''**زوجۂ شیخ**'' بن کر شیخ کے بستر تک پہونچ کر اپنی مراد اور مطلب حاصل کرنا ہے۔

ایک مرید اپنے پیر کو دینی اور روحانی جذبۂ محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس کی اپنے پیر سے محبت کا مقصد صرف اور صرف نجاتِ آخرت ہوتا ہے۔ لہذا پیر ومرید کے رشتہ کو پاک، صاف، مقدّس، طیّب وطاہر، محفوظ، مامون، نیک، شریف، غیر آلود، عفیف، پارسا، پُر اخلاص، بے لوث، بے نفس، اور صداقت پر مبنی جان کر اور مان کر اسے ''**روحانی رشتہ**'' کہا گیا ہے۔ اس روحانی رشتہ میں دنیوی اور نفسانی اغراض کی قطعًا آمیزش اور تلویث نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی حسین وجمیل عورت بھی مریدہ ہو، تب بھی پیرو مرشد اس کی طرف نگاہ بھی نہیں کریگا اور جنسیاتی اور شہواتی خیالات کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن تھانوی صاحب کے ایک بہت بڑے خلیفہ نے پیرومرید کے روحانی رشتہ کو شوہر اور بیوی کے رشتے میں تبدیل کرنے کی مذموم خواہش کی۔

اب ہم ''**اشرف السوانح**'' کی مذکورہ زیر بحث عبارت کے ضمن میں کچھ گفتگو کریں۔ عبارت کی ابتداء اس طرح ہے کہ خواجہ عزیز الحسن صاحب خود اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''**ایک بار عشق ومحبت کے جوش میں حضرت والا سے بہت جھجکتے اور شرماتے ہوئے دبی زبان سے عرض کیا**'' یعنی عزیز الحسن صاحب ابھی سے ہی عورت کے ناز وانداز دکھا رہے ہیں۔ مرد اور عورت کی فطرتیں الگ الگ ہیں۔ مرد میں شجاعت اور دلیری کا مادّہ زیادہ ہوتا ہے جبکہ عورت میں شرم اور جھجھک کا مادّہ زیادہ ہوتا ہے۔ اگر کسی لڑکے کی نظروں میں کوئی لڑکی بس گئی اور اتفاق سے دونوں کے درمیان بات چیت کرنے کا تعلق ہے، تو لڑکا بلا کسی ڈر اور جھجھک اور شرمائے بغیر دلیری کے ساتھ لڑکی سے اپنی محبت کا اظہار اور اقرار کر لیگا۔ لیکن اگر معاملہ برعکس ہے یعنی کوئی لڑکی کسی لڑکے پر

فریفتہ ہوگئی ہے اور اس کی رفیق حیات بننے کی آرزومند ہے، تو وہ اپنی محبت کا اظہار واقرار کرنے کے لیے ایک عرصہ تک غور وفکر کرے گی۔ پھر ذہنی طور پر وہ ہمت جمع کر یگی اور جب مناسب موقعہ پائے گی، تب بڑی شرماتی ہوئی.... جھجھکتی ہوئی.... ڈرتی ہوئی.... گھبراتی ہوئی.... اپنے محبوب سے گفتگو کا آغاز کرے گی۔ لڑکے کی طرح دلیری کے ساتھ بے خوف ہوکر اپنی محبت کا اظہار واقرار نہیں کرے گی بلکہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ اپنے محبوب سے کہے گی کہ میں ایک ضروری بات کہنا چاہتی ہوں لیکن گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے... شرم آتی ہے ... ہمت نہیں ہوتی ہے... لڑکی کی پریشانی دیکھ کر لڑکا اُسے ڈھارس دے گا اور حوصلہ افزائی کرکے ہمت بندھائے گا، تب لڑکی اپنے دل کی بات دبی زبان سے ظاہر کرے گی کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور تم سے شادی کرکے تمہاری رفیق حیات بننا چاہتی ہوں۔

یہی حالت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری کی ہے کہ وہ محبت کے جوش میں جھجھکتے اور شرماتے ہوئے تھانوی صاحب سے دبی زبان میں عرض کرتے ہیں کہ **”ایک بہت ہی بیہودہ خیال دل میں بار بار آتا ہے“**، یعنی عزیز الحسن صاحب کو ایک ایسا خیال آتا ہے، جو صرف بیہودہ نہیں بلکہ **”بہت ہی بیہودہ“** خیال ہے۔ اور وہ بہت ہی بیہودہ خیال آج پہلی مرتبہ نہیں آیا بلکہ بار بار یعنی متواتر اور لگاتار آتا ہے، ہر گھڑی یہی **”بہت ہی بیہودہ خیال“** آتا رہتا ہے۔ ایسا **”بہت ہی بیہودہ“** خیال ہے کہ **”جس کو ظاہر کرتے ہوئے بھی نہایت شرم دامن گیر ہوتی ہے اور جرأت نہیں پڑتی“**، یعنی ایسا بہت ہی بیہودہ خیال ہے کہ جس کو ظاہر کرتے ہوئے بھی یعنی لفظ ”بھی“ سے اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ ایسا بیہودہ خیال ہے کہ جس کو ظاہر کرنے میں تو یقیناً شرم آئے اور اس کو ظاہر کرنے والا شرم سے کٹ جائے

بلکہ اسے صرف ظاہر کرتے ہوئے صرف شرم نہیں بلکہ **”نہایت شرم“** یعنی بے انتہا، بہت، بیحد، بکثرت شرم آئے، عزیز الحسن صاحب غوری کی مذکورہ وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو جو بیہودہ خیال متواتر آتا ہے، وہ نہایت ہی شرمناک ہے۔ نیز جب عزیز الحسن صاحب نے تھانوی صاحب سے اپنے بیہودہ خیال کی کیفیت بیان کی، وہ وقت نماز کا وقت تھا۔ بقول عزیز الحسن غوری صاحب **”حضرت والا اس وقت نماز کے لیے اپنی سہ دری سے اٹھ کر مسجد کے اندر تشریف لے جارہے تھے“** یعنی تھانوی صاحب اپنے تین (۳) دروازوں والے کمرے سے کھڑے ہوکر مسجد کے اندر تشریف لے جارہے تھے۔ تہذیب، اخلاق، پارسائی اور پرہیزگاری کا تقاضا تو یہ تھا کہ تھانوی صاحب اپنے خلیفہ صاحب کو روک دیتے کہ اس وقت وہ شرمناک بیہودہ خیال کا اظہار مت کرنا۔ ہم مسجد کے اندر جارہے ہیں۔ نماز کے بعد مناسب وقت میں بیان کرنا۔

لیکن نماز کے بعد کے وقت تک انتظار کرنا تھانوی صاحب کے بس کی بات نہ تھی۔ بیہودہ شرمناک خیال فحشیات کے علاوہ کسی اور موضوع پر مشتمل نہیں ہوسکتا اور فحشیات کا موضوع تھانوی صاحب کیلئے مرغوب الطبع تھا۔ لہٰذا انھوں نے بڑی جلدی اور بڑے اشتیاق سے عزیز الحسن صاحب سے **” فرمایا:۔ کہئے کہئے“** یعنی کہو، کہو! لفظ ”کہئے“ دو (۲) مرتبہ کہا۔ پھر کیا ہوا؟۔ **”احقر نے غایت شرم سے سر جھکائے ہوئے عرض کیا کہ میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ کاش! میں عورت ہوتا، حضور کے نکاح میں“** حد کردی عزیز الحسن غوری صاحب نے۔ مسجد میں نماز کے لیے جاتے وقت اپنے پیر صاحب سے ہی کہہ دیا کہ پیر جی! صرف آپ کا مرید بن کر رہنے میں تسلّی اور

تشفّی نہیں ہوتی۔ پیر و مرید کے رشتہ میں ایک حد تک مقید رہنا پڑتا ہے۔ ادب واحترام و تعظیم وشرم وحیا کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ حفظِ مرتبہ اور پاسِ عظمت کے اُسلوب کی حد بندی سے اب اُکتا گیا ہوں۔ اب تو دل کے ارمان پورے کرنے کی ٹھان لی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ **''کاش ! میں عورت ہوتا''** لیکن صرف عورت بن جانے سے دل کی لگی بجھنے والی نہیں۔ عورت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اہم خوبی اور خصوصیت یہ بھی ہو کہ میں کوئی عام سطح کی عورت ہونے کے بجائے ایسی عورت بن جاؤں جو **''حضور کے نکاح میں''** ہونے کا شرف رکھتی ہو۔ یعنی میں صرف عورت بن کر نہ رہ جاؤں بلکہ آپ کی منکوحہ، بیگم، بیوی، رفیق حیات، ہم بستر، جورو، گھر والی، پتنی، مِسس، وائف اور محبوب زوجہ بن جاؤں۔ پھر کیا ہے؟ میرے تمام ارمان پورے ہو جائیں گے۔ آپ مجھ میں اور میں آپ میں سما جاؤں گا (جاؤں گی)۔ اِس وقت تو میری ذہنی حالت و کیفیت نہایت خستہ ہے۔ ہر وقت آپ کی بیوی بننے کا ہی خیال آتا رہتا ہے۔

چھی.... چھی.... ! کیسا بیہودہ خیال ہے۔ ایک مرید اپنے پیر کو کیسی شہواتی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ پیر صاحب میں اسے اپنے سپنوں (خوابوں) کا شہزادہ نظر آتا ہے اور خود خوابوں کی شہزادی بن کر اس کے ساتھ ازدواجی زندگی کے عیش وعشرت کے خواب دیکھ رہا ہے۔ بلکہ بے شرم و بے حیا بن کر ایسا بیہودہ خیال اپنے پیر صاحب کے سامنے ظاہر کرنے کی جرأت بھی کر رہا ہے اور وہ بھی عین نماز کے وقت؟ ایسا گندہ خیال کہ جو پیر و مرید کے درمیان قائم **''روحانی رشتہ''** کو بدنامی کا ''کلنک'' لگائے اور لوگوں کو ہنسنے کا اور انگلی اٹھانے کا موقعہ دے۔ ایسے نالائق مرید کو ڈانٹ کر خاموش کر دینا

چاہیے۔ لیکن واہ رے پیر صاحب ! ان کی رنگین طبیعت کا کیا کہنا؟ مرید سے دو (۲) نہیں بلکہ چار قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔ خوش ہو گئے۔ واہ ! مرد جیسا مرد بھی عورت بن کر میری بیگم بننے کی خواہش اور تمنا کر رہا ہے۔ اپنی بھی حیثیت کچھ کم نہیں۔ میری دل فریبی اور دل ربائی ابھی تک شباب پر ہے۔ ایک مرد کا دل مجھ پر فریفتہ ہو گیا۔ **تسخیرِ قلب** (Captivation of heart) کا کمال مجھ میں کامل طور سے پایا جاتا ہے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر درجہ کا پڑھا لکھا شخص مجھ پر ایسا عاشق ہو گیا ہے کہ اپنی مردانگی کو میری محبت میں قربان کر کے عورت بن کر مجھ سے شادی کرنے کی تمنا کر رہا ہے۔ پیر صاحب کا بھی دل اُچھل کود کرنے لگا۔ **بلّی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آنے لگے۔** مرید اب مرید کے رشتے کا طوق گلے سے اُتار کر میری بیوی بننے پر آمادہ ہوا ہے۔ لہذا پیر صاحب بہت خوش ہو گئے اور بقول عزیز الحسن **''اس اظہار محبت پر حضرت والا غایت درجہ مسرور ہو کر بے اختیار ہنسنے لگے''** یعنی اپنے مرید کی زبان سے ایسی محبت بھری خواہش کے اظہار پر تھانوی صاحب **''غایت درجہ''** (Extreme/utmost) یعنی حد درجہ، بے انتہا مسرور یعنی خوش ہو گئے۔ اتنے زیادہ خوش ہو گئے کہ وہ خوشی اندر سمائی نہیں جاتی بلکہ اچھل اچھل کر ہنسی کی شکل میں کود کود کر باہر آنے لگی اور کودنے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ بقول عزیز الحسن **''بے اختیار ہنسنے لگے''** یعنی تھانوی صاحب بے قابو اور بے بس ہو کر بہت زیادہ ہنسنے لگے۔

پیر صاحب کیوں نہ خوش ہوں؟ اور کیوں نہ بہت زیادہ ہنسیں؟ مرید نے ایسی بات کہی جو **مرغوب الطبع** یعنی جو جی کو بھانے اور دل کو پسند آنے والی تھی۔ جو کھانا بہت پسند تھا وہی کھانا حکیم صاحب نے تجویز کیا والا معاملہ تھا۔ پیر صاحب کے دل میں

گُد گُدی ہونے لگی۔ **کیونکہ مرید نے پیر صاحب کے منہ کی بات چھین لی تھی**۔ پیر صاحب کے دل میں دبی ہوئی بات مرید نے کہہ دی تھی۔ لیکن داد دینی چاہیے تھانوی صاحب کی ڈھٹائی کی کہ جس بات کو مرید **بیہودہ خیال** کہہ کر ظاہر کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا تھا، اس کو تھانوی صاحب بیہودگی کے زمرے سے خارج کر کے نیکی اور ثواب میں شمار کر کے بے شرمی، بے حیائی، بے ادبی، گستاخی اور بدتہذیبی کی سرحد پھلانگ رہے ہیں۔

پیر صاحب مرید کی دلجوئی بلکہ حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں اور مرید سے یہ فرما رہے ہیں کہ تم میرے مرید ہونے کے باوجود میری بیوی ہونے کی جو تمنا میں ہر وقت رہتے ہو اور میری بیوی ہونے کا جو خیال تمہارے دل میں بار بار آتا ہے، اس خیال کو تم **بہت ہی بیہودہ خیال** سمجھ کر ظاہر کرتے ہوئے شرماتے ہو اور اسے کہنے کی ہمت نہیں کرتے ہو، تمہارا یہ خیال ہرگز بیہودہ نہیں بلکہ نیک خیال ہے۔ تمہارے اس خیال سے میں بہت ہی خوش ہوں۔ اتنا خوش ہوں کے مارے خوشی کے بے انتہا ہنس رہا ہوں۔ بقول عزیز الحسن صاحب ''**اور یہ فرماتے ہوئے مسجد کے اندر تشریف لے گئے کہ یہ آپ کی محبت ہے۔ ثواب ملیگا۔ ثواب ملیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ**'' (معاذ اللہ) یعنی تھانوی صاحب اپنے مرید اور خلیفہ عزیز الحسن سے فرما رہے ہیں کہ تم نے میری بیوی ہونے کی جو تمنّا کی ہے، یہ تمہاری محبت ہے اور تمہاری محبت ایسی مقدّس ہے کہ ایسی محبت کرنے پر انشاء اللہ تعالیٰ ثواب ملیگا۔ صرف ایک مرتبہ ثواب ملیگا نہیں فرمایا بلکہ دو (۲) مرتبہ فرمایا ہے۔ یعنی ثواب ملنے کی بات یقینی ہے۔ اسی لیے تو ''**ثواب ملیگا**'' کی بشارت کا جملہ دو (۲) مرتبہ فرمایا ہے۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ غیر جانبدار ہو کر بنظر انصاف و عدل تھانوی صاحب کے جملے پر غور فرمائیں۔ ''**یہ آپ کی محبت ہے**'' یہ جملہ کہہ کر تھانوی صاحب اپنے خلیفۂ خاص اور مرید کے بیہودہ خیال کو مناسب ثابت کرنے کے لیے اسے محبت کا خوبصورت اور پاکیزہ جامہ پہنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کوشش میں بھی ان کو ناکامیابی اور رسوائی کے سوا کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ کیونکہ محبت کہ جس کو عشق، فریفتگی، پریم، پیار، حُب، چاہ، لگاؤ، رغبت، رجحان، لَو (Love)، اٹریکشن (attraction) ممتا، اُنس، الفت، پریت، ہیت، ( )، سنح ( ) وغیرہ ناموں سے جانا اور محسوس کیا جاتا ہے۔ اس کی بھی دو (۲) قسمیں ہیں۔ (۱) **عشق حقیقی** اور (۲) **عشق مجازی**۔ ان میں سے قسم اول یعنی عشق حقیقی کے جائز اور مستحسن ہونے میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں لیکن قسم دوم یعنی ''**عشق مجازی**'' کے لیے یہ قانون ہے کہ اگر یہ عشق شریعت مطہرہ کے دائرے میں ہے اور میزانِ شریعت میں تولنے سے اس کا صحیح اور جائز ہونا ثابت ہے، تو اس کے جائز اور مستحب ہونے میں کوئی کلام نہیں مثلاً ⊙ والدین کا اپنی اولاد سے محبت کرنا ⊙ بھائی بھائی میں محبت ⊙ بھائی بہن کا پیار ⊙ رشتہ داروں کی الفت ⊙ شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے کو چاہنا ⊙ استاد و شاگرد اور پیر و مرید کی دینی محبت ⊙ مادرِ وطن سے محبت وغیرہ شریعت کی حد میں رہ کر یقیناً جائز بلکہ لازمی اور ضروری ہے اور اگر **عشقِ مجازی** خلاف قانون شریعت ہے، تو وہ مذموم، ملعون اور موجب لعن وطعن ہے۔ صرف آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے محبت ہے۔ اتنا کہہ دینے سے ناجائز اور حرام محبت کو مناسب اور جائز ہونے کی سند نہیں مل جائیگی۔ ویسے تو ⊙ **زانی کو**

زانیہ سے اور زانیہ کو زانی سے محبت ہوتی ہی ہے۔ جب ہی تو وہ ایسے فعل قبیح میں ملوّث ہوتے ہیں ⊙ **لواطت کرنے والے فاعل کو مفعول سے اور مفعول کو فاعل سے محبت ہوتی ہے۔** اتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ محبت کے سمندر میں بالکل غرق ہو کر خلاف فطرت کام کر کے اپنا منہ کالا کرتے ہیں ⊙ **شرابی کو شراب کی بوتل سے** اتنی محبت ہوتی ہے کہ وہ اس کی محبت میں اپنی مت، لت اور گت کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ ایسی تو کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ المختصر! عشق مجازی کے بھی ضوابط، اصول، قوانین اور حدود ہیں، جو لازمی طور پر شریعت کے دائرہ میں مقیّد ہوں، تب ہی وہ صحیح اور مناسب ہیں۔ ورنہ وہ قابل مذمت اور نفرت ہیں۔

ایک مومن کو اپنے مومن بھائی سے صرف اسلامی رشتۂ اخوّت کی بناء پر محبت ہوتی ہے اور وہ اس سے دینی محبت کے تقاضے سے محبت کرتا ہے اور اسے بے حد چاہتا ہے، تو اس کی یہ محبت قابل تعریف اور ستائش ہے۔ لیکن اگر وہ شخص اپنے اسی مومن بھائی کو شہوت اور لواطت کا تعلق ہونے کی وجہ سے چاہتا ہے اور محبت کرتا ہے، تو اس کی یہ محبت قابل نفرت اور ملامت ہے۔ دونوں معاملوں میں محبت ہے۔ دونوں معاملوں میں **محبت ہی اصل اور کارفرما ہے۔** لیکن نیت کا فرق ہونے کی وجہ سے ایک معاملہ جائز اور قابل تحسین ہے اور دوسرا معاملہ حرام اور قابل نفرت ہے۔ صرف محبت کا واسطہ اور وسیلہ دینے سے قبیح ارتکاب مناسب نہیں ہو جائیگا۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ محبت کا منشاء اور مقصد کیا ہے؟ صرف **''محبت ہے''** کی وجہ اور سبب پیش کر کے فاسد نیت پر مشتمل شہوانی محبت کو مناسب ثابت کرنا سراسر بیوقوفی ہے۔ لیکن تھانوی صاحب **''رئیس الاحمقین''** کا لقب اپنے لیے موزوں

ٹھہراتے ہوئے اپنے خلیفہ اور مرید خواجہ عزیز الحسن صاحب کے **''بہت ہی بیہودہ خیال''** کو صحیح اور مناسب ثابت کرنے کے لیے اور ان کو اپنے اس بیہودہ خیال میں مزید بیہودگی کرنے کا حوصلہ فراہم کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ فرما کر تسلّی دیتے ہیں کہ **''یہ آپ کی محبت ہے''**۔

تھانوی صاحب اپنے مرید کو **''یہ آپ کی محبت ہے''** کی تسلّی دے کر سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ اپنے مرید کی ایسی بہت ہی بیہودہ محبت کو مذہبی رنگ میں رنگ کر چمکا کر اور اُسے نیکی اور عبادت کے کام میں شمار کرتے ہیں اور ایسی **''ثواب ملیگا۔ ثواب ملیگا۔ انشاءاللہ تعالیٰ''** یعنی تھانوی صاحب اپنے مرید سے یہ فرماتے ہیں کہ تم نے میری بیوی بننے کی جو خواہش کی ہے، یہ تمہاری محبت ہے اور تمہاری اس محبت پر انشاءاللہ ثواب ملیگا۔ مرید تو پیر کی محبت میں اندھا بن کر بہک گیا تھا اور مرید سے **''پیرانی ماں''** بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا لیکن پھر بھی تھوڑا سا ہوش میں ضرور تھا۔ اُسے اس بات کا یقینی احساس تھا کہ مرید کو اپنی اوقات و بساط میں رہنا چاہیے۔ مرید کی پیر کے سامنے جو حیثیت ہے، اس سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ ہر مرید یہ چاہتا ہے کہ پیر صاحب سے قرب اور نزدیکی حاصل کروں لہذا وہ پیر صاحب کے ارشادات کی کامل طور پر تعمیل کرتے ہوئے نماز، روزہ، ودیگر فرائض، واجبات، سنن کی ادائیگی، شریعت مطہرہ کی سختی سے پابندی، ذکر و اذکار، قیام لیل، کثرت نوافل اور دیگر اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ علم دین کے حصول میں حتی الامکان کوشاں رہتا ہے۔ بلکہ مشقت برداشت کر کے جدوجہد کرتا ہے اور پیر صاحب کا قرب حاصل کر کے محبوب النظر بننے کی آرزو و خواہش میں

رہتا ہے۔لیکن عزیز الحسن صاحب نے تو ایسا قرب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی، جو کسی بھی مرید کو حاصل ہونا ناممکن اور محال تھا۔ ایسا قرب خاص کہ جو صرف **''مریدہ''** ہی کو حاصل ہوسکتا ہے۔ مرید تو پیر صاحب کی مسند کے سامنے یا بہت قرب ہونے پر پیر صاحب کی عنایت ونوازش پر پیر صاحب کے ساتھ ان کی مسند پر بیٹھ سکتا ہے۔ تھانوی صاحب کے ساتھ ان کے بستر پر لیٹنا، سونا، وغیرہ کی سعادت تو کسی بھی مرید کی تقدیر میں نہیں۔ **''ایں سعادت برائے نسواں خاص است''** یعنی یہ سعادت تو صرف عورتوں کے لیے ہی خاص ہے۔ اور وہ بھی سب عورتوں کے نصیب میں یہ سعادت کہاں؟ یہ سعادت تو کسی خوش نصیب خاتون کو ہی میسّر ہوسکتی ہے۔ شریعت میں تو مریدہ کو بھی پیر سے پردہ کرنا لازمی ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں ایک دو ہی ایسی قسمت کی دھنی ہیں جو صرف چہرے سے کپڑا ہٹا کر ہی نہیں بلکہ تمام جسم سے کپڑا ہٹا کر صرف بے پردہ نہیں بلکہ عریاں ہوکر پیر صاحب کی صرف محبوب النظر ہی نہیں بلکہ محبوبۂ جگر بن کر صرف قرب ہی حاصل نہیں کرتیں بلکہ جذب ہو جاتی ہیں۔ پیر صاحب میں جذب ہو جانے کا انھیں یہ صلہ ملتا ہے کہ اب وہ صرف مریدہ ہی بن کر نہیں بلکہ **''پیرانی''** کے معزز لقب اور منصب کی حامل بن جاتی ہیں۔ پیر صاحب کی معیّت میں رہ کر اپنے حسن و جمال اور ناز نخرے کے جادو سے پیر جی کو ایسا مُسخّر اور مَسحُور کردیں گی کہ اب پیر صاحب پر بھی ان کی حکمرانی جاری ہوجائیگی۔

لہذا ! عزیز الحسن صاحب نے اپنی مردانگی بلکہ مردانہ بھیس قربان کر کے صرف عورت نہیں بلکہ تھانوی صاحب کی جورو بننے کی خواہش کا **''بہت ہی بیہودہ خیال''** ظاہر

کیا۔ مرید کو اس بات کا ضرور احساس تھا کہ میرا یہ خیال واقعی مذموم، غیر مہذب، غیر فطری، غیر رائج، غیر رسمی، غیر صائب، غیر مترقبہ، غیر معتبر، غیر ممکن، غیر مناسب اور غیر واجب ہونے کی وجہ سے بقول خود عزیز الحسن صاحب نے **''بہت ہی بیہودہ خیال''** ہونے کا اعتراف واقرار کیا ہے لیکن تھانوی صاحب تو اپنے بے وقوف مرید سے بھی **''گیا گزرا''** پیر ثابت ہو رہے ہیں کہ اپنے جس خیال کو خود مرید **''بہت ہی بیہودہ''** کہہ کر ظاہر کرتے ہوئے جھجھکتا ہے اور شرماتا ہے، ایسے بہت ہی بیہودہ خیال کو تھانوی صاحب بے جھجھک، بے شرم، بے حیا، بے چون وچرا، بے حمیت، بے خطر، بے راہ، بے سُرت، بے سلیقہ، بے علّت، بے غیرت، بے لحاظ اور بے مُہار بن کر اُسے **مناسب محبت کے سانچے میں ڈھال کر** تہذیب واخلاق بلکہ شریعتِ مطہرہ کی پاس داری کے اسلوب کو پاش پاش کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ **''یہ آپ کی محبت ہے۔ ثواب ملیگا''**

▣ پروفیسر خالد محمود سے ایک سوال:-

پوری دنیا کے وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے متبعین اور بالخصوص **''مطالعۂ بریلویت''** نامی رسوائے زمانہ کتاب کے مصنف امام الکاذبین، رئیس المفترین، سرخیلِ دروغ گویاں، **پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود مانچسٹری** سے ایک چھوٹا سا اور آسان سوال ہے کہ:-

''کسی کی بیوی بننے کی خواہش کرنے والے مرد کو ثواب ملیگا۔ اس کا ثبوت قرآن مجید کی کون سی آیت یا کس حدیث میں ہے؟''

امام عشق ومحبت ،امام اہلسنت ،مجدد دین وملت ،شیخ الاسلام والمسلمین ،امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات پر بے تکے، بے سروپا، بے محل وموقعہ، سراسر کذب اور دروغ گوئی پر مشتمل الزامات واتہامات عائد کرنے والے سرکش عناصر پہلے اپنے گھر کی خبرلیں۔ تھانوی صاحب کی بیگم وہم بستر بننے کی خواہش کرنے والے اندھے عقیدت مند مرید خواجہ عزیز الحسن غوری کو تھانوی صاحب نے ان کی ایسی بیہودہ خواہش پر اجر وثواب کی جو بشارت دی ہے، اس کا قرآن وحدیث سے ثبوت قیامت تک دیوبندی مکتبۂ فکر کے متبعین دینے سے عاجز وقاصر رہیں گے۔

بیگم تھانوی بننے کی تمنّا کرنے والے کو تھانوی صاحب نے اجر وثواب کی جو بشارت دی ہے .وہ تھانوی صاحب کے افترائی ذہن کا اختراع بلکہ ٹھنڈے پہر کی ماری ہوئی گپ ہے۔ شریعت کے قوانین واصول وضوابط کو بھی تھانوی صاحب اپنی آبائی جاگیر سمجھ کر بلا کسی دلیل وثبوت کے جو جی میں آتا تھا، وہ بک دیتے تھے۔ جائز اور مستحب افعال ومراسم ملّت اسلامیہ کو ناجائز اور بدعت نیز بے حیائی وبے شرمی کے بیہودہ ارتکابات کو جائز اور ثواب کہہ دینے میں تھانوی صاحب کے کان پر جوں نہ رینگتی تھی۔

محبت رسول کے جذبۂ صادق کے تحت قرآن واحادیث سے ثابت شدہ رائج مراسم اہلسنت کو بلا تامل ناجائز کا فتوٰی صادر کرنے والے منافقین زمانہ اپنے جاہل پیشوا اور نام نہاد مجدد کے ایسے جاہلانہ واحمقانہ ملفوظات وواقعات شائع کر کے ملت اسلامیہ کی کونسی خدمت انجام دیتے ہیں؟

ایک مرد میری بیوی بننے کی تمنّا کرتا ہے، یہ بات تھانوی صاحب نہیں بھولے

تھانوی صاحب کی یادداشت اتنی زیادہ کمزور تھی کہ:-

- ⊙ **تھانوی صاحب کو کچھ یاد نہ رہتا تھا۔**
- ⊙ **تھانوی صاحب درسی کتابیں بھی بھول گئے۔**
- ⊙ **تھانوی صاحب کو ضروریات دین کے مسائل بھی یاد نہ تھے۔**
- ⊙ **تھانوی صاحب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کی روایات بھی یاد نہ تھیں۔**

تفصیل کے لیے احقر کی لکھی ہوئی کتاب ’’تھانوی صاحب کی علمی صلاحیت‘‘ کا مطالعہ فرمائیں۔

لیکن !!! تھانوی صاحب کے مرید وخلیفہ خواجہ عزیز الحسن غوری صاحب نے تھانوی صاحب کی بیوی بننے کی خواہش وتمنّا کی۔ یہ بات تھانوی صاحب نہیں بھولے۔ کیوں بھولتے؟ من پسند بات تھی، اسے کیسے بھولتے؟ بلکہ ایک عرصہ تک اپنی مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے تھے اور خوش ہوتے تھے اور اپنی طرف سے ایک نئی بات کا اضافہ کرتے تھے۔ جس کو تھانوی صاحب کی بیوی بننے کی خواہش کرنے والے عزیز الحسن صاحب نے یوں نقل کیا ہے کہ:-

”حضرت والا اب تک اس واقعۂ محبت کو بھولے نہیں۔ اپنی مجلس شریف میں احقر کے اس محبت آمیز قول کو بہ لطف نقل فرما فرما کر مزاحًا فرمایا کرتے ہیں کہ غنیمت ہے اس کے عکس کی خواہش نہیں کی۔“

حوالہ :

(۱) **” اشرف السوانح “**۔ مصنف:- خواجہ عزیز الحسن غوری از اکابر خلفائے تھانوی صاحب۔ ناشر:- ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع:- مظفر نگر (یوپی)۔ طباعت بار چہارم ۱۳۰۷ھ، جلد۲، صفحہ:۲۸

(۲) **”اشرف السوانح“** مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، از اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، سن طباعت: (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد:۲، صفحہ:۷۰**

تھانوی صاحب اب تک اس محبت کے واقعہ کو بھولے نہیں۔ کیوں بھولیں؟ کیا یہ کوئی معمولی واقعہ تھا کہ جس کو اتنی جلدی فراموش کر دیا جائے؟ یہ تو ایسا عجیب و غریب واقعہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر ملنا مشکل و محال ہے۔ ایک ڈپٹی کلکٹر درجہ کا پڑھا لکھا شخص اپنی توانائی کو رعنائی میں تبدیل کر کے عورت اور وہ بھی تھانوی صاحب کی بیگم بننے کی خواہش کر رہا ہے۔ یہ تو ہمیشہ یاد رکھنے جیسا بلکہ یاد رکھنے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ، مکرر، بار بار اپنی محفل میں بیان کرنے جیسا نرالا واقعہ ہے۔ تاکہ دنیا والوں کو پتہ چلے کہ ایسا بھی دل پھینک عاشق اس دھرتی پر اب بھی موجود ہے، جو اپنے محبوب کے قدموں پر اپنی مردانگی نچھاور کر کے اپنی جنس بدل کر، مرد سے عورت بن کر اور رشتۂ نکاح کے بندھن میں مقید ہو کر محبت کے تمام تقاضے اور ارمان پورے کرنے کیلئے پیر صاحب کی جورو بننے تک تیّار رہے۔ دنیا والوں کو محبت کا درس دینے کیلئے

یہ واقعہ اپنی نوعیت کا منفرد واقعہ ہے۔ لہٰذا بقول عزیز الحسن صاحب **”اپنی مجلس شریف میں احقر کے اس محبت آمیز قول کو بہ لطف نقل فرما فرما کر“** یعنی تھانوی صاحب اپنے بیوقوف مرید کے ایسے بیہودہ خیال کو اپنی مجلس میں **”بہ لطف“** یعنی لذت و مزہ لے لے کر بار بار بیان کرتے تھے۔ **”نقل فرما فرما کر“** کے الفاظ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عزیز الحسن کے بیہودہ خیال والا واقعہ تھانوی صاحب نے اپنی مجلسوں میں ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بار بار بیان فرمایا ہے اور وہ بھی خُشک یعنی روکھے اور بے مزہ لہجہ میں نہیں بلکہ **”بہ لطف“** یعنی لذت اور مزہ لے لے کر بیان فرماتے تھے۔ **” بلّی کے خواب میں چھیچھڑے“** کے مطابق تھانوی صاحب بھی عزیز الحسن کا **”محبت آمیز قول“** نقل کرتے وقت ایک عجیب کیف و سرور محسوس کرتے ہونگے۔

عبارت کا آخری جملہ تو فاش فاش فواحش کے تصوّر کی عکاسی کر رہا ہے۔ یعنی تھانوی صاحب کا یہ فرمانا کہ **”غنیمت ہے اس کے عکس کی خواہش نہیں کی“** یعنی بہتر ہے، شکر کا مقام ہے کہ عزیز الحسن نے **”عکس کی“** یعنی اُلٹے کی (Contrary) خواہش نہیں کی۔ یعنی بہتر ہوا کہ عزیز الحسن نے میری بیوی بننے کی خواہش کی اور مجھے اپنی بیوی بنانے کی خواہش نہیں کی۔ یعنی عزیز الحسن نے مفعول بن کر مجھے فاعل بنانے کی خواہش کی۔ اگر اس کے برخلاف خواہش کی ہوتی تو کیا ہوتا؟ عزیز الحسن صاحب شوہر کے رول میں اور تھانوی صاحب بیگم کے رول میں ہوتے اور ازدواجی زندگی بسر کرتے تو بیوی ہونے کی وجہ سے حمل تو تھانوی صاحب کو ہی ہوتا۔ حاملہ کی حیثیت سے نو (۹) مہینہ تک حمل کا بوجھ اٹھانا، وضع حمل (Delivery) کی ہولناک تکالیف اٹھانا، اگر عام (Usual) تولید نہ ہوئی تو پھر آپریشن سے تولید کرانا وغیرہ وغیرہ تکالیف تھانوی صاحب کو برداشت کرنی پڑتیں۔ لہذا تھانوی صاحب اپنی خوش نصیبی پر خوش تھے کہ عزیز الحسن نے مجھے اپنی بیوی بنانے کی خواہش نہیں کی یہ بہت اچھا ہوا۔

تھانوی صاحب کی بیوی بننے کے خیال کا حوصلہ عزیزالحسن کو کیوں اور کیسے ہوا؟

پیر اور مرید کا روحانی رشتۂ تقدّس، پاکیزگی اور روحانیت پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ مرد مرید کبھی تصور بھی نہیں کرسکتا کہ میں مرید کی حیثیت ترک کرکے ''پیرانی'' بنوں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ تھانوی صاحب کے محبوب مرید اور چہیتے خلیفہ عزیزالحسن صاحب غوری نے تھانوی صاحب کی بیوی بننے کی خواہش ظاہر کی۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ اپنی اس بیہودہ خواہش کا اظہار خود اپنی زبان سے اپنے پیر صاحب کے سامنے کیا اور تھانوی صاحب نے کسی قسم کی خفگی اور ناراضی کا اظہار نہیں کیا بلکہ خوش ہوئے اور ثواب کی بشارت دی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی مرید ایسی خواہش کو پیر صاحب سے کہنے کی جرأت اور ہمّت کرسکتا ہے؟ کیا ڈر اور شرم مانع نہ ہوگی؟ ضرور ہوگی لیکن تھانوی صاحب کی محفل میں بیٹھنے والوں کی ذہنیت اتنی پراگندہ ہوگئی تھی کہ ان کے لیے ایسی باتیں باعثِ شرم وحیا نہ تھیں۔ کیونکہ تھانوی صاحب اپنی محفلی گفتگو میں اکثر وبیشتر پیر ومرید کے تعلق اور رشتہ کیلئے میاں بیوی کی مثالیں دیتے تھے۔

تھانوی صاحب کی سوانح حیات اور ملفوظات پر مشتمل کتب کثیرہ سے ایسی پچاسوں مثالیں دستیاب ہیں کہ تھانوی صاحب اپنی عام محفلوں میں بھرے مجمع میں پیر ومرید کے تعلق کے لیے ایسی فحش مثالیں دیتے تھے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ وہ تمام عبارات بالا ستیعاب

پیش کریں۔ پھر بھی قارئین کرام کی ضیافت طبع کے خاطر چند عبارات پیش خدمت ہیں۔

(۱)

''ایک بار بدون صحبت شیخ کے محض خط وکتابت پر اکتفا کرنے کی یہ مثال دی تھی کہ جیسے شوہر اور بیوی محض خط وکتابت کرتے رہیں اور اظہارِ محبت بھی کرتے رہیں لیکن ملتے جلتے نہ رہیں تو اولاد ہوچکی۔ اسی طرح شیخ کے ساتھ محض خط وکتابت رکھنے سے کوئی معتدبہ نتیجہ نہیں پیدا ہوسکتا۔ ثمرات خاصہ کے لیے گاہے گاہے صحبت شیخ ضروری ہے۔''

حوالہ:

(۱) **''کمالات اشرفیہ''**، تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہ آبادی (خلیفۂ تھانوی صاحب)، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی)، سنِ اشاعت ۱۹۹۵ء، **باب:۱، ملفوظ:۷۵۴، صفحہ:۱۹۳**

(۲) **''کمالات اشرفیہ''**، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفرنگر (یو۔پی) سن اشاعت ۱۴۲۷ھ، باب اول، **ملفوظ نمبر:۷۵۴، صفحہ:۲۲۵**

(۳) **''کمالات اشرفیہ''**، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یو۔پی)، باب اول، **ملفوظ نمبر:۷۵۴، صفحہ:۲۶۳**

اس عبارت میں تھانوی صاحب نے پیر ومرید کی ملاقات کیلئے مرد اور عورت کے درمیان کی جانے والی صحبت (ہم بستری) کی مثال دی ہے کہ صرف خط وکتابت

کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اولاد حاصل کرنے کیلئے مرد اور عورت کا صحبت (وطی) کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح پیر کا "ثمرۂ خاصہ" یعنی "خاص فائدہ" حاصل کرنے کیلئے بھی پیر سے صحبت (میل ملاپ) ضروری ہے۔ کیسی فحش مثال دی ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں۔ حصول اولاد کیلئے مرد اور عورت کے جسم کا بحالت جماع (Intercourse) ایک دوسرے میں پیوست ہونا ضروری ہے، لہٰذا خط و کتابت سے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ جب کہ پیر سے رشد و ہدایت اور پند و نصائح اور دیگر رہنمائی بذریعہ خط و کتابت حاصل ہوسکتی ہے۔

(۲)

"بیعت کا علاقہ زوجیت کے علاقہ سے بہت زیادہ ہے۔ مگر لوگ وہاں تو حسن و جمال کو دیکھتے ہیں اور یہاں فضل و کمال کو نہیں دیکھتے۔"

حوالہ :

(۱) **"حسن العزیز"** تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: مولوی حکیم محمد یوسف بجنوری، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون ضلع: مظفر نگر (یوپی)، سن اشاعت ۱۳۸۵ھ، باردوم، **جلد:۳، حصہ:۲، قسط:۱۳، صفحہ:۱۹۵، مسلسل صفحہ:۴۳۵**

(۲) **"ملفوظات حکیم الامت" جلد:۱۹، میں شامل کتاب "حسن العزیز"**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد سوم، صفحہ نمبر:۲۷۹**

(۳)

"ایک بار فرمایا کہ صحبت شیخ میں طالب دُزدیدہ طور پر اپنے اندر اخلاق کو لیتا ہے۔ ایک بار بدون صحبت شیخ کے محض خط وکتابت پر اکتفا کرنے کی یہ مثال دی تھی کہ جیسے شوہر اور بیوی

محض خط وکتابت کرتے رہیں اور اظہار محبت بھی کرتے رہیں لیکن ملتے جلتے نہ رہیں، تو اولاد ہو چکی۔ اسی طرح شیخ کے ساتھ محض خط وکتابت رکھنے سے کوئی معتد بہ نتیجہ نہیں پیدا ہوسکتا۔ ثمرات خاصّہ کے لیے گاہے گاہے صحبت شیخ ضروری ہے۔"

حوالہ :

(۱) **"حسن العزیز"** تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: خوجہ عزیز الحسن غوری، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون ضلع: مظفر نگر (یو. پی)، سن اشاعت ۱۳۸۵ھ، بارسوم، مطبوعہ: یونین پرنٹنگ پریس، دہلی، **جلد:۱، حصہ:۱، قسط:۱۴، ملفوظ:۱۹، صفحہ:۲۴**

(۲) **"ملفوظات حکیم الامت" جلد: ۱۶، "حسن العزیز"**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد اول، حصہ: اول، ملفوظ نمبر:۱۹، صفحہ نمبر:۳۵**

(۴)

اب ایک حوالہ قارئین کرام کی خدمت میں ایسا پیش کر رہے ہیں کہ جس کو پڑھ کر بیساختہ زبان سے شرم......شرم......کی صدا بلند ہوگی۔ **پیر و مرید کے تعلقات** اور پیر و مرید کے رشتۂ روحانیت اور اکتساب وحصول فیض کے لیے تھانوی صاحب نے بے حیائی اور بے شرمی پر مشتمل ایسی فحش مثال دی ہے کہ **پڑھنے والا اپنا سر تھام لے۔ لاحول ولاقوۃ** کا ورد زبان پر جاری رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل عبارت پڑھیں:-

"اور میں جو عدم مناسبت کی صورت میں قطع تعلق کر دیتا ہوں، اُس کی وجہ یہ ہے کہ بدون مناسبت کے شیخ سے کچھ نفع نہیں ہوتا۔ ہے

تو فحش مثال لیکن مثال تو محض توضیح کے لیے ہوتی ہے۔ اس لیے نقل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ۔ وہ یہ کہ طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب تک توافق انزالین نہ ہو، حمل نہیں قرار پاتا۔ اگرچہ زوجین دونوں تندرست اور قوی ہوں ۔ اسی طرح اگرچہ شیخ اور طالب دونوں صالح ہوں لیکن باہم توافق طبائع نہ ہو، تو پھر تعلق ہی عبث ہے اور اس کا قطع کر دینا ہی مناسب ہے۔ کیونکہ اجتماع بلا تناسب نہ صرف غیر مفید بلکہ موجب تشویش جانبین ہوتا ہے۔''

حوالہ :

(۱) **''اشرف السوانح''**۔ مصنف:۔ خواجہ عزیز الحسن غوری از:۔ اکابر خلفائے تھانوی صاحب۔ ناشر:۔ ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع:۔ مظفر نگر (یو۔ پی)۔ طباعت بار چہارم ۱۳۰۷ھ، **جلد:۲، صفحہ:۴۸**

(۲) **''اشرف السوانح''** مصنف : خواجہ عزیز الحسن غوری، از:۔ اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیو بند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، سن طباعت: (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد:۲، صفحہ:۹۹**

تھانوی صاحب کی ایک عادت یہ تھی کہ اگر کسی شخص سے باہمی تعلق میں مناسبت (Relevancy) نہ ہوتی تھی، تو تھانوی صاحب اس سے قطع تعلق کر دیتے تھے اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ اس شخص میں اور مجھ میں مناسبت نہیں لہذا اس کو مجھ سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا اور اس کے لیے جو مثال دیتے تھے وہ اتنی فحش ہوتی تھی کہ خود تھانوی صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ **''ہے تو فحش مثال''** یعنی میں جو مثال دے رہا

ہوں وہ مثال بیہودہ، قابل شرم، جنسی بدکلامی اور بے حیائی پر مشتمل ہے۔ اس اعتراف کے بعد اب خود ہی اپنا دفاع (Defence) کرتے ہیں کہ **''مثال تو محض توضیح کے لیے ہوتی ہے''** یعنی مثال بات کو اچھی طرح سمجھانے کیلئے کھول کر بیان کرنے کے لیے دی جاتی ہے **''اس لیے نقل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں''** لہذا ایسی فحش مثال نقل کرنے میں مضائقہ نہیں۔ واہ! اپنے طور پر اصول بنالیا اور فیصلہ بھی کر دیا کہ مضائقہ یعنی کوئی حرج نہیں۔ خیر!

اب ملاحظہ فرمائیں کہ تھانوی صاحب کیسی فحش مثال دے رہے ہیں۔ مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کے نتیجہ میں ہی اولاد پیدا ہوتی ہے۔ قدرت کا بنایا ہوا نظام یہ ہے کہ میاں بیوی، ہمبستری کرتے ہیں، تب ہی حمل قرار پاتا ہے اور حمل کے قرار پانے کے لیے طبیبوں (Physicians) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہمبستری (Intercourse) کے وقت مرد اور عورت میں **''توافق انزالین''** ہو یعنی مرد اور عورت دونوں کی منی (Semen/Sperm) ایک ساتھ چھوٹے۔ اگر مرد کو پہلے **انزال** (Discharge) ہو گیا اور عورت کو بعد میں انزال ہوا یا اس کے برعکس ہوا۔ تو ایسی صورت میں چاہے مرد اور عورت تندرست اور طاقتور ہوں، حمل (Pregnant) نہیں قرار پائیگا۔ لہذا میاں بیوی کا ایک ہی وقت، ایک ساتھ انزال ہونا چاہیے۔

مندرجہ بالا فحش مثال کو پیر و مرید کے روحانی تعلقات پر چسپاں کرتے ہوئے تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ جس طرح زن و شوہر میں **''توافق انزالین''** ضروری ہے، اسی طرح پیر و مرید میں **''توافق طبائع''** یعنی طبیعت کا اتفاق ضروری ہے جس طرح اگر

مرد اور عورت تندرست اور قوی ہوں لیکن ہمبستری کے وقت ''**توافق انزالین**'' نہ ہونے کی صورت میں حمل نہیں ٹھہرے گا۔ اسی طرح اگر پیر اور مرید دونوں صالح یعنی نیک ہوں لیکن تعلقات میں ''**توافق طبائع**'' یعنی دونوں کے مزاج اور عادت میں اتفاق (Concord) نہ ہونے کی صورت میں فائدہ نہ ہوگا۔

پیر و مرید کے روحانی رشتہ کے لیے اسی طرح مزید فحش مثال دیتے ہوئے تھانوی صاحب اس طرح سخن ساز ہیں کہ:-

(۵)

''دیکھئے کامیابی کسی کے قبضہ کی بات نہیں۔ اگر کوئی کسی عورت سے کہے کہ میں تجھ سے جب نکاح کروں گا جب تو مجھ کو یہ یقین دلائے کہ نکاح کے بعد ایک حسین بچہ پیدا ہوگا۔ تو وہ عورت یہی کہہ دیگی کہ بچہ ہونا، نہ ہونا میرے قبضہ میں نہیں۔ یا اگر عورت کسی مرد سے نکاح کے قبل یہ وعدہ لیوے کہ تم مجھے بچہ بھی جنوادو گے، تو یہ اس کی نادانی ہے۔ اسی طرح پیر کے قبضہ میں یہ ہرگز نہیں کہ وہ کوئی خاص چیز حاصل کرادے۔ اس میں نہ مرید کا کچھ اختیار، نہ شیوخ کا۔''

حوالہ :

(۱) ''**حسن العزیز**'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: مولوی حکیم محمد یوسف بجنوی اور مولوی حکیم محمد مصطفٰی، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون ضلع: مظفر نگر (یوپی)، بار دوم، جلد: ۱، حصہ: ۴، قسط: ۱۹، ملفوظ: ۶۱۹، صفحہ: ۹۶، مسلسل صفحہ: ۲۶۴

(۲) ''**ملفوظات حکیم الامت**'' **جلد: ۱۷، میں شامل کتاب ''حسن العزیز''**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد اول**، حصہ: دوم، **ملفوظ نمبر: ۶۲۲، صفحہ نمبر: ۲۴۰**

''مرید اور شیخ میں مناسبت طبعی ہونی چاہیے۔ تکلف اور تصنع اور کھینچا کھینچ سے کام نہیں چلتا۔ میاں بی بی کا سا قصہ ہے کہ دونوں میں نباہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ طبعی مناسبت دونوں میں ہو اور اس مناسبت کا کوئی ضابطہ اور قاعدہ نہیں۔ جیسے کہ مرد و عورت میں مناسبت کا معیار کچھ حسن و جمال نہیں۔ بعضے عورت حسین ہوتی ہے۔ مگر میاں سے نہیں بنتی اور بعضے عورت بدصورت ہوتی ہے اور میاں بی بی میں موافقت خوب ہوتی ہے۔

حوالہ :

(۱) ''**حسن العزیز**'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، مرتب: مولوی حکیم محمد یوسف بجنوی اور مولوی حکیم محمد مصطفٰی، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون ضلع: مظفر نگر (یوپی)، بار دوم، **جلد: ۴، حصہ: ۱، قسط: ۱۰، صفحہ: ۱۳۲**

(۲) ''**ملفوظات حکیم الامت**'' **جلد: ۲۰، میں شامل کتاب ''حسن العزیز''**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، **جلد چہارم، صفحہ نمبر: ۱۱۷**

ہم نے صرف چھ، ۶ حوالے مع عبارت درج کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ اس عنوان پر اتنی کثرت سے عبارات دستیاب ہیں کہ ایک الگ سے ضخیم کتاب مرتب ہو جائے اور ہمیں علمائے دیوبند کے فواحش کے مختلف اور متفرق عناوین پر تفصیلی گفتگو کرنی ہے لہذا صرف چھ، ۶ حوالے مع عبارات درج کیے ہیں اور چھ، ۶ حوالوں کی بغیر عبارات صرف نشاندہی کر دیتے ہیں۔ اہل ذوق حضرات ان حوالوں کے سہارے اصل کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

(۷)

(۱) **''کمالات اشرفیہ''**، تھانوی صاحب کے **ملفوظات** کا مجموعہ، مرتب: مولوی محمد عیسٰی الٰہ آبادی (خلیفۂ تھانوی صاحب)، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی) سن اشاعت: ۱۹۹۵ء، **باب: ۱، ملفوظ: ۶۵۲، ۱۶۴**

(۲) **''کمالات اشرفیہ''**، مرتب: مولوی محمد عیسٰی الٰہ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو۔ پی) سن اشاعت ۱۴۲۷ھ، باب اول، **ملفوظ نمبر: ۶۵۲، صفحہ: ۱۹۰**

(۳) **''کمالات اشرفیہ''**، مرتب: مولوی محمد عیسٰی الٰہ آبادی، خلیفۂ تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یو۔ پی)، باب اول، **ملفوظ نمبر: ۶۵۲، صفحہ: ۲۲۴**

(۸)

(۱) **''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ''** تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ■ **پرانا ایڈیشن**:۔ ناشر:۔ مکتبہ دانش، دیوبند (یوپی)، مطبوعہ: محبوب پریس، دیوبند (یوپی)

سن طباعت: ۱۹۸۹ء، مطابق ۱۳۰۹ھ، **جلد: ۳، میں جلد: ۴، کی قسط: ۳، مسلسل ترتیب کی قسط: ۱۸، ملفوظ: ۵۴۳، صفحہ: ۵۹** ■ **نیا ایڈیشن**:۔ ناشر:۔ مکتبہ دانش، دیوبند (یوپی) طبع اول، دسمبر ۱۹۹۹ء، **جلد: ۴، حصّہ: ۸، ملفوظ: ۱۷، صفحہ: ۱۴**

(۹)

''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ■ **پرانا ایڈیشن**:۔ ناشر:۔ مکتبہ دانش، دیوبند (یوپی)، مطبوعہ: محبوب پریس، دیوبند (یوپی) سن طباعت: ۱۹۸۹ء، مطابق ۱۳۰۹ھ، جلد: ۳، میں جلد: ۴، کی قسط: ۳، مسلسل ترتیب کی قسط: ۱۸، ملفوظ: ۶۱۹، صفحہ: ۱۰۹ ■ **نیا ایڈیشن**: ناشر: مکتبہ دانش، دیوبند (یوپی) طبع اول، دسمبر ۱۹۹۹ء، **جلد: ۴، حصّہ: ۸، ملفوظ: ۹۴، صفحہ: ۸۸**

(۱۰)

(۱) **''اشرف السوانح''**، مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، از: اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی)، طباعت بار چہارم، ۱۳۰۷ھ، جلد: ۲، صفحہ: ۱۶۸

(۲) **''اشرف السوانح''** مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، از:۔ اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یو. پی)، سن طباعت: (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد: ۲، صفحہ: ۲۸۱**

(۱۱)

''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ■ **پرانا ایڈیشن**:۔ ناشر:۔ مکتبۂ دانش،

دیوبند (یوپی)، مطبوعہ: محبوب پریس، دیوبند (یوپی) سن طباعت ۱۹۹۰ء، مطابق ۱۳۱۰ھ، جلد: ۴، میں جلد: ۴، کی قسط: ۳، مسلسل ترتیب کی قسط: ۱۹، ملفوظ: ۶۲۴، صفحہ: ۷، نیچے کا۔ مسلسل صفحہ: ۳۴۳ اُوپر کا
▣ نیا ایڈیشن:۔ ناشر:۔ مکتبہ دانش، دیوبند (یوپی) طبع اول، دسمبر ۱۹۹۹ء، جلد: ۴، حصّہ: ۸، ملفوظ: ۹۹، صفحہ: ۹۲

(۱۲)

"الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ" تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ▣ پُرانا ایڈیشن:۔ ناشر:۔ مکتبہ دانش، دیوبند (یوپی)، مطبوعہ: محبوب پریس، دیوبند (یوپی) سن طباعت ۱۹۸۹ء، مطابق ۱۴۰۹ھ، جلد: ۳، میں جلد: ۴، کی قسط: ۳، مسلسل ترتیب کی قسط: ۱۸، ملفوظ: ۴۷۸، صفحہ: ۲۱ ▣ نیا ایڈیشن:۔ ناشر:۔ مکتبہ دانش، دیوبند (یوپی) طبع اول، دسمبر ۱۹۹۹ء، جلد: ۴، حصّہ: ۷، ملفوظ: ۴۹۶، صفحہ: ۳۲۷

قارئین کرام خود انصاف فرمائیں کہ تھانوی صاحب نے پیر و مرید کے روحانی رشتے کو شوہر اور بیوی کے رشتے سے متمثل کیا ہے۔ کیا یہ مناسب اور زیبا ہے؟ تھانوی صاحب بھری محفل میں جس انداز سے پیر و مرید کیلئے شوہر اور بیوی کی مثالیں دیتے تھے وہ سن سن کر تھانوی صاحب کے چہیتے مرید اور خلیفۂ خاص خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری اپنے پیر و مرشد کی فرمودہ امثال کے سانچے میں اپنے آپ کو کامل طور پر ڈھالنے کی ذہنیت کی طرف آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ لیکن تھانوی صاحب نے عزیز الحسن صاحب

کے ساتھ اپنے خاص قلبی لگاؤ کا اظہار فرما کر اُن کی آہستہ رفتار کو سُرعت اور جلد بازی کے جوش جنوں کا جامہ پہنا کر ایسا اُکسایا اور اُبھارا کہ وہ اپنے جذبات حبّ پر قابو نہ رکھ سکے اور شوق لقاء میں اتنے مشتعل ہو گئے کہ اپنے پیر و مرشد کی دی ہوئی امثالِ خیالیہ کو حقیقت کا روپ دینے کیلئے تھانوی صاحب کی بیوی بن کر تمام تقاضوں کو پورا کرنے کرانے کی خواہش ظاہر کر دی۔ تھانوی صاحب کو دیگر مریدین کے مقابل اپنے چہیتے مرید عزیز الحسن سے کیسا قلبی لگاؤ تھا، وہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہر عورت کے ساتھ بی بی کا سا تعلق؟

تھانوی صاحب کے عزیز الحسن صاحب کے ساتھ بے تکلّف تعلقات اور قلبی لگاؤ کی گواہی دینے والا ایک واقعہ خود عزیز الحسن صاحب کی زبانی سماعت کریں:۔

> "احقر ایک بار سفر دہلی میں حضرت والا کے ہمرکاب تھا۔ ایک روز حسب معمول صبح کی مشی کے لیئے تلاوت فرماتے ہوئے تشریف لے گئے۔ جو صاحبان ساتھ ہو لیئے تھے۔ اُن کو ساتھ چلنے سے ممانعت فرما دی۔ کیونکہ جن لوگوں سے پوری طرح دل نہ کھلا ہوا ہو، اُن کے ساتھ رہنے سے توجہ بٹتی ہے۔ سب کے ہمراہ احقر بھی واپس جانے لگا تو مجھ کو بُلا لیا۔ پھر راستہ میں فرمایا کہ ممانعت تو ان کے لیئے تھی جن سے بے تکلفی نہیں۔ پھر

فرمایا کہ اگر ہر عورت یہ چاہنے لگے کہ میرے ساتھ بی بی کا سا تعلّق رکھا جائے، تو یہ اُس کی حماقت ہے۔''

حوالہ :

(۱) ''**اشرف السوانح**''، مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی)، طباعت بار چہارم، ۱۳۷۰ھ، **جلد: ۲، واقعہ نمبر: ۵، صفحہ: ۱۱۴**

(۲) ''**اشرف السوانح**'' مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، از: اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یو. پی)، سن طباعت: (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد: ۲، واقعہ نمبر: ۵، صفحہ: ۲۰۲**

دہلی کے سفر میں تھانوی صاحب **صبح کی مشی** (**MorningWalk**) کے لیے تلاوت کرتے ہوئے نکلے۔ کچھ حضرات تھانوی صاحب کے ساتھ چلنے لگے، تو تھانوی صاحب نے ساتھ آنے کی ممانعت کردی۔ لہذا تمام لوگ رُک گئے اور واپس جانے لگے۔ واپس جانے والوں میں عزیز الحسن صاحب بھی تھے لیکن تھانوی صاحب نے ان کو اپنے ساتھ چلنے بُلا لیا۔ اب صرف تھانوی صاحب اور عزیز الحسن صاحب ہی ہیں۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی ساتھ میں نہیں۔ دونوں چل رہے ہیں اور تھانوی صاحب چلتے چلتے **قرآن مجید** کی تلاوت بھی زبانی کر رہے ہیں لیکن تلاوت کرتے کرتے کیسے نازیبا خیالات آرہے ہیں۔ عزیز الحسن سے فرمایا کہ تم واپس کیوں جارہے تھے؟ ساتھ آنے کی ممانعت تو ان کے لیئے تھی، جن سے **بے تکلفی نہیں**۔ اور بقول عزیز الحسن ''**جن لوگوں**

سے پوری طرح دل نہ کھلا ہوا ہو'' لیکن عزیز الحسن کے ساتھ تو تھانوی صاحب کا دل پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ جس طرح میاں بیوی کا دل ایک دوسرے سے کھلا ہوا ہوتا ہے، اسی طرح ان دونوں پیر و مرید کا دل آپس میں کھلا ہوا تھا۔

اسی لیے تو عزیز الحسن کو تھانوی صاحب نے ساتھ چلنے کیلئے بُلا لیا اور چلتے چلتے فرمایا کہ **''اگر ہر عورت یہ چاہنے لگے کہ میرے ساتھ بی بی کا سا تعلق رکھا جائے، تو یہ اسکی حماقت ہے''** یعنی ہر مرد ہر عورت کے ساتھ بیوی جیسا تعلق نہیں رکھ سکتا۔ بیوی جیسا تعلق تو خاص الخاص کوئی ایک عورت کہ جو اس کے ساتھ نکاح کے بندھن میں آکر اس کی رفیق حیات اور بیگم کی حیثیت رکھتی ہو، اسی کے ساتھ ہی رکھا جاتا ہے۔ بیوی کے ساتھ پوری طرح دل کھلا ہوا ہوتا ہے۔ صرف دل ہی کیا؟ سب کچھ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ ہر عورت کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی لیے میں نے سب کو واپس کر دیا اور صرف تم کو ہی ساتھ چلنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس عنایت اور لطف و کرم سے تم امتیاز کرلو کہ عام لوگوں اور عام محبین کے مقابلہ میں تمہاری مجھ تک کتنی رسائی ہے۔ وہ تمام لوگ کہ جن کو واپس بھیج دیا، ان کی مثال عام سطح کی عورتوں کی ہے لیکن تم کو اپنے ساتھ لیا ہے، لہذا تمہاری مثال بیوی کی طرح ہے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح تمہیں چلنے کے لیے اپنے ساتھ لیا ہے، اسی طرح انہیں بھی ساتھ چلنے کی اجازت دوں، تو یہ ان کی حماقت ہے۔ اور ان کی حماقت ان عورتوں کی مثل ہے جو یہ چاہتی ہیں کہ ان کے ساتھ بھی بیوی جیسا تعلق رکھا جائے۔

تھانوی صاحب نے عزیز الحسن کے ساتھ قلبی لگاؤ کو صرف کہنے اور سننے کی حد

تک محدود نہ رکھتے ہوئے عملی طور پر بھی ثابت کر دیا۔ صبح کی مشی میں تمام لوگوں کو واپس بھیج کر اور عزیز الحسن صاحب اکیلے کو ہی ساتھ چلنے کی اجازت دے کر عملی طور پر بھی ثابت کر دیا کہ جو قلبی لگاؤ عزیز الحسن کے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ نہیں۔ واپس بھیجے گئے لوگ عام عورت کی طرح ہیں جبکہ عزیز الحسن ''گھروالی'' کی طرح ہیں اور جو تعلق ''گھروالی'' کے ساتھ ہوتا ہے، وہ ہر عورت کے ساتھ نہیں رکھا جا سکتا۔ تھانوی صاحب نے اشارۃً اور کنایۃً عزیز الحسن صاحب کو بیوی کی مثل کہہ دیا۔ اس بات کا عزیز الحسن صاحب پر ایسا اثر پڑا کہ اب وہ مثل اور مثال کے خوابی خیال اور ریتیلی زمین پر چاند سورج کی چمک سے پانی کا جو دھوکہ ہوتا ہے، اس ''سَراب'' (Mirage) کی دھوکے باز چمک کے وہم (lusion) کے دائرے کو پھلانگ کر حقیقت کے یقین کی منزل سَر کرنا ہی میری عقیدت اور محبت کی کامیابی ہے اور اس کے لیے میری جنس (Sex) مانع ہے۔ مرد کا مرد سے نکاح ناممکن اور غیر فطرتی ہے لہٰذا محبت کی کامیابی اور حصول منزل مقصود کیلئے **''کاش! میں عورت ہوتا اور تھانوی صاحب کی بیوی ہوتا''**۔ عزیز الحسن نے اپنی اس بیہودہ خواہش کو اپنے ہونٹوں پر بڑے ہی شرماتے اور جھجھکتے ہوئے لائے اور تھانوی صاحب سن کر غایت درجہ خوش ہو کر ہنسنے لگے اور اپنے عاشق (عاشقہ) کو اجر و ثواب کی بشارت سنا کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

بلکہ عزیز الحسن کے ساتھ تھانوی صاحب نے تعلقات اتنی حد تک بے تکلف بنا لیے تھے اور خط و کتابت میں ایسے عاشقانہ اشعار و جملے لکھتے تھے کہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کا آپس میں رشتہ پیر اور مرید کا تھا یا عاشق اور معشوقہ کا تھا؟ ثبوت کیلئے ذیل میں مرقوم

اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:۔

> **''اس زمانہ میں احقر حضرت والا کی خدمت میں جو عریضے لکھتا تھا، وہ بھی عاشقانہ اور والہانہ شان کے ہوتے تھے اور حضرت والا کے جوابات بھی بڑے رنگین اور محبوبانہ انداز کے ہوتے تھے۔''**
>
> **حوالہ :**
>
> (۱) **''اشرف السوانح''**، مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی)، **جلد:۲، صفحہ:۲۹**
>
> (۲) **''اشرف السوانح''** مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، از اکابر خلفاءِ تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، سن طباعت: (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد:۲، صفحہ:۷۲**

واہ! کیا کہنا!! مرید عاشقانہ اور والہانہ شان کے خطوط اپنے رنگین مزاج پیر صاحب کو لکھتا تھا۔ پیر صاحب بھی اپنے سینہ میں دھڑکتا ہوا، مچلتا ہوا، تڑپتا ہوا، بلکتا ہوا، بلبلاتا ہوا، بے چین، بےقرار، بے تاب، بےکل، بے آرام، بے صبر اور مضطرب دل رکھتے تھے۔ جس پر رنگین مزاجی کا ایسا رنگ چڑھا ہوا تھا کہ مرید کا محبت نامہ (Love Letter) پڑھ کر پیر صاحب کے دل کے تار حرکت میں آجاتے تھے اور وہ جو جوابات لکھتے تھے وہ

''جوابات بھی بڑے رنگین اور محبوبانہ انداز کے ہوتے تھے''

بقول شاعر:۔ **''دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی''**

پیرومرید آپس میں جوخط وکتابت کرتے تھے، ان میں کیا کیا لکھتے تھے؟

''مجھے خوب یاد ہے کہ ایک عریضہ کے اندر بجائے القاب وآداب کے میں نے فرطِ محبت میں حضرت والا کوصرف اس شعر سے خطاب کیا تھا :-

جانِ من، جانانِ من، سلطانِ من،
اے توئی اسلام من، ایمانِ من

حوالہ :

(۱) ''**اشرف السوانح**'' جلد:۲،صفحہ:۲۹

(۲) ''**اشرف السوانح**'' مصنف : خواجہ عزیز الحسن غوری، از:۔ اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر : مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع : سہارنپور (یوپی)، سن طباعت: (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد:۲،صفحہ:۷۲**

اپنے پیر کی اندھی محبت میں بہک اور بھٹک کر مرید نے کیسی بے راہ روی اختیار کی ہے وہ دیکھیں۔ پہلے مصرعہ میں جان من، جانانِ من اور سلطان من کہا اور دوسرے مصرعہ میں ''**اسلام من**'' اور ''**ایمانِ من**'' کہہ کر حد کردی ہے۔ حضور اقدس جانِ ایمان و جان عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے وہابی، دیوبندی اور تبلیغی مکتبۂ فکر کے عقائد فاسدہ میں سے یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ ''**نبی کی تعظیم بڑے بھائی جیسی کرنی چاہیے**'' لیکن تھانوی صاحب کی تعظیم وتوصیف کا جب معاملہ درپیش ہوا تو **توحید اور شرک** کے تمام اصول وضوابط فراموش کر گئے۔ یہاں اس عنوان کی بحث نہیں کرنی ہے۔ البتہ جن حضرات کو دیوبندی مکتبۂ فکر کے متبعین کے عقائد کے معاملے میں تضاد بیانی کی تفصیل

معلوم کرنی ہو، وہ راقم السطور کی تصنیف ''**توحید کے دعویدار خود شرک میں گرفتار**'' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

عزیز الحسن صاحب تھانوی صاحب کو لمبے اور طویل محبت نامے لکھا کرتے تھے۔ اپنے محبت نامے۔ (**Love Letters**) طویل ہونے کی ایک خط میں معذرت طلب کی۔ جس کا تھانوی صاحب نے کیا جواب دیا، وہ ملاحظہ فرمائیں:-

''اس زمانہ میں احقر کے عریضے بہت ہی طول طویل ہوتے تھے۔ جس کی میں نے حضرت والا سے ایک عریضہ میں معذرت طلب کی، تو اس کے جواب میں سبحان اللہ کس درجہ شفقت اور کیسے پیارے اور رنگین عنوان سے تحریر فرمایا کہ کہیں طول زلف محبوب بھی کسی کو ناگوار ہوتا ہوا دیکھا گیا ہے؟''

حوالہ :

(۱) ''**اشرف السوانح**''، مصنف: خواجہ عزیز الحسن غوری، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی)، طباعت بار چہارم، ۱۳۰۷ھ، **جلد:۲، صفحہ:۲۹**

(۲) ''**اشرف السوانح**'' مصنف : خواجہ عزیز الحسن غوری، از:۔ اکابر خلفائے تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، سن طباعت: (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، **جلد:۲، صفحہ:۷۲**

اس عبارت میں عزیز الحسن صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ تھانوی صاحب کو ان کے لکھے ہوئے محبت نامے (Love Letters) طویل یعنی لمبے نہیں بلکہ **"طول طویل"** یعنی بہت لمبے ہوتے تھے۔ اتنے زیادہ لمبے ہوتے تھے کہ خود انھیں اس کا احساس ہوا۔ لہٰذا انھوں نے تھانوی صاحب سے معذرت طلب کی۔ لیکن تھانوی صاحب کو ایسے طویل محبت ناموں سے کوئی ناگواری نہیں ہوتی تھی بلکہ ایسے طویل محبت نامے اچھے اور بھلے لگتے تھے۔ تھانوی صاحب کی رنگین مزاجی کی وجہ سے وہ طویل محبت نامے محبوبہ کی طویل زلف کی طرح محسوس ہوتے تھے۔ لہٰذا تھانوی صاحب نے عزیز الحسن صاحب کے معذرت کے عریضہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کے طویل محبت نامے محبوبہ کی طویل زلف کی مانند ہیں اور محبوبہ کی طویل زلفوں کا طول (لمباپن) کسی کو بھی ناگوار ہوتا نہیں دیکھا گیا۔

تھانوی صاحب کے ایسے رنگین مزاجی اقوال نیز پیرو مرید کے تعلقات کے لیے شوہر اور بیوی کی مثالیں دینا اور عزیز الحسن کے ساتھ خاص الخاص تعلقات اور تھانوی صاحب کی محافل میں روزانہ کی گفتگو میں فحش باتیں اور فحش تذکرے سن سن کر عزیز الحسن بھی عرصۂ دراز کی معیت اور صحبت سے قربِ خاص کی بدولت اتنے **"بے تکلّف"** ہوگئے تھے کہ تکلّف اور تہذیب کا جامہ اُتار پھینک کر ایسے جری اور بیباک ہوگئے تھے کہ پیرو

مرید کے درمیان روحانیت کا جو پاک اور مقدّس رشتہ ہوتا ہے، اس کو رشتۂ زوجیت میں تبدیل کرنے کی ہر وقت خواہش کرنے لگے اور ایک دن ہمت کر کے اپنے پیر کی خدمت میں اس کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دیا کہ **"کاش! میں عورت ہوتا اور آپ کی بیوی ہوتا"** تھانوی صاحب میں اگر حمیّت وغیرت کا ذرّہ برابر بھی شائبہ ہوتا، تو وہ عزیز الحسن صاحب کو سختی سے ڈانٹ کر فرماتے کہ شرم نہیں آتی؟ اپنے پیر کے ساتھ ایسا بیہودہ خیال رکھتے ہو؟ مگر واہ! پیر صاحب تو مرید سے بھی دو (۲) نہیں چار (۴) قدم آگے بڑھے ہوئے تھے۔ بقول شاعر:-

"دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی"

مرید نے تو ڈرتے ہوئے، جھجکتے ہوئے، شرماتے ہوئے اور دبی زبان سے پیر صاحب سے کہا کہ **"کاش! میں عورت بن کر تمہاری بیگم بن جاتا"**۔ پیر صاحب نے بڑی دلیری سے جواب دیا کہ **"یہ آپ کی محبت ہے۔ ثواب ملیگا۔ ثواب ملیگا"**

داڑھی والی دلہن؟؟؟

شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس نے دلہن نہ دیکھی ہو۔ شادی شدہ کیلئے تو نہ دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن غیر شادی شدہ نے بھی الگ الگ رشتہ سے دلہن کو ضرور دیکھا ہوگا۔ کسی نے اپنی بہن کو، کسی نے بھاوج کو، کسی نے اپنی پھوپھی یا خالہ یا چاچی کو دلہن بن کر ڈولی میں بیٹھ کر اپنے آبائی مکان سے رخصت ہوتے دیکھا ہی ہوگا۔ ہر عورت دلہن بننے کا سنہرا خواب دیکھتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کے ہاتھ پیلے کرنے کا موقعہ میسّر آتا ہے، تب اس کی اور اس کے گھر والوں کی خوشیاں مچل اٹھتی ہیں۔

ہر دلہن اپنے پِیا سے پہلی ملاقات کے وقت اپنے آپ کو حسین سے حسین تر بنانے کی کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی۔ ہاتھ میں مہندی، سرخ جوڑا، سر پر چُندری، ناک میں نتھنی، کان میں جھومر یا بالیاں، ہاتھ میں سونے کے کنگن، گلے میں سونے کا ہار، علاوہ ازیں مختلف زیورات سے آراستہ ہوکر بناؤ سنگار کے تمام اسباب کا فراخ دلی سے استعمال کر کے ملکۂ حسن و جمال بن جاتی ہے۔ اس کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ میں پیکرِ حسن بلکہ مثل جنت کی حور بن کر اپنے رفیق حیات سے پہلی ملاقات کروں۔ دلہن کا لفظ سن کر ہی ہر شخص کے ذہن میں ایسی عورت کا تصوّر آتا ہے، جو آرائش، زیبائش، زیب و زینت، سجاوٹ، بناؤ سنگار، شوبھا، خوشنمائی، آراستگی، خوبصورتی، موزونیت، تناسب، درخشانی، تابانی، چمک، دمک، مہک، نکہت، لطافت، نفاست اور نزاکت کا جاذب النظر پیکرِ جمیل ہو۔

لیکن !!!

کیا؟ آپ نے کبھی ایسی دلہن دیکھی ہے؟ یا کبھی ایسی دلہن کا خاکہ آپ کے تصّور میں اُبھرا ہے؟ جو بناؤ سنگار کے تمام رسم و رواج اور طور طریقے کی کامل ادائیگی کے ساتھ ساتھ

مردانہ شان کا بھی مظاہرہ کرتی ہو۔ یعنی اس کے نازک اور ملائم رخساروں پر داڑھی بھی ہو۔ نہیں! نہیں!! دلہن کا ایسا تصوّر یا ایسی تصویر ممکن ہی نہیں۔ روئے زمین پر ایسی عورت دستیاب نہیں ہوسکتی جو بارہ اُبھرن سولہ سنگھار سجائے ہوئے ہو اور ساتھ میں چہرے پر مردوں جیسی بلکہ مولانا جیسی لمبی لمبی داڑھی بھی ہو۔ صبر کرو، اطمینان سے کام لو، اتنے جلد مشتعل نہ بن جاؤ۔ ہم آپ کو دکھا ہی دیتے ہیں۔ علمائے دیوبند کے اکابر کی سوانح حیات پر مشتمل کتابوں میں ایسی دلہن کا تذکرہ موجود ہے۔ لیجیے! آپ خود ہی اپنے ماتھے کی آنکھوں سے پڑھ لیجیے!!!

وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے پیشوا اور جن کو تبلیغی جماعت کے متبعین ''مجدد'' اور ''امام ربّانی'' کے لقب سے ملقب کرتے ہیں، وہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کی حالات زندگی قلمبند کرنے والے دیوبندی مکتبۂ فکر کے نامور مؤرّخ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی صاحب لکھتے ہیں کہ۔

> ''ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے۔ سو جس طرح زن و شوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے، اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہونچا ہے۔ اُنھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے اُنھیں مرید کرادیا۔ حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی نے کہا ''**الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ**''۔ آپ نے فرمایا: ہاں، آخر اُن کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں''

حوالہ:

(۱) ''**تذکرۃ الرشید**'' (پرانا ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارنپور (یو. پی) جلد: (۲)، ص: (۲۸۹)

(۲) ''تذکرۃ الرشید'' (نیا ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی،
ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد: (۲)، ص: (۳۶۲)

مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے ایک مزید حوالہ پیش خدمت ہے

'' آپ ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ ہوا۔ پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر ان کے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں''

حوالہ:

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' (قدیم ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارن پور (یو-پی) جلد: (۱)، ص: (۲۴۵)

(۲) ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد: (۱)، ص: (۳۴۲)

سب سے پہلے ''تذکرۃ الرشید'' جلد (۲)، ص: (۲۸۹) والی پہلی عبارت میں مذکورہ قرآنِ مجید کی آیت کریمہ ''اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ'' کے تعلق سے بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کرلیں۔ یہ آیت کریمہ قرآنِ مجید کے پارہ (۵)، سورۂ نساء کی آیت نمبر (۳۴) ہے۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ:- **''مرد افسر ہیں عورتوں پر''** (کنز الایمان)۔ اس آیت کے تعلق سے صرف اتنی ہی معلومات ذہن میں محفوظ رکھیں۔ انشاء اللہ تذکرۃ الرشید کی مندرجہ بالا دونوں عبارات پر کیئے جانے والے تبصرہ کے ضمن میں انکشاف کیا جائے گا کہ دیوبندی مکتبۂ

فکر کے مقتدا و پیشوا نے اپنے مذموم اور قابل نفریں گندے خواب کی موزونیت ثابت کرنے کیلئے کیسی فاسد ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اور مرد سے مرد کے نکاح کا رشتہ ناتا مناسب ثابت کرنے کیلئے قرآنِ مجید کی مقدّس آیت کو کھینچ تان کر چسپاں کرنے کی کیسی قبیح حرکت کی ہے۔

ہر آدمی خواب دیکھتا ہے۔ کبھی اچھا اور نیک خواب تو کبھی ڈراؤنا اور بھیانک خواب۔ جوان آدمی شہوات نفسانی اور جنسی خواہشات پر مشتمل خواب جوانی کے ایّام میں اکثر وبیشتر دیکھا کرتا ہے۔ اسی خواب کی وجہ سے اُسے احتلام بھی ہوجاتا ہے اور اس پر غسل کرنا لازمی ہوجاتا ہے۔ لیکن قارئین کرام! اللہ انصاف سے بتائیں کہ کیا کبھی بھی کوئی شخص جو شہوانی (Lasciviousness) خواب دیکھتا ہے، وہ عوام میں اپنے ایسے خواب کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے؟ کیا کوئی بھی شریف آدمی اپنے گندے خواب کی تشہیر کرتا ہے؟ نہیں، وہ اپنے خواب کو حتی الامکان چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اتنا کہہ کر بات ٹال دیتا ہے کہ نیند میں غسل کی حاجت ہوگئی۔

ایک حقیقت کی طرف بھی توجہ ملتفت کرانا ضروری ہے کہ ماہر نفسیات (Psychologist) کی تحقیقات (Investigation) کے مطابق آدمی جس کے متعلق دن بھر سوچتا رہتا ہے، اس کے تعلق سے رات کو نیند میں خواب دیکھتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا ہے اور ہر وقت اس کی محبت کا دم بھرتا ہے اور ہر پل اسی کی یاد میں کھویا رہتا ہے۔ تو رات کو نیند میں بھی اپنی محبوبہ کے خواب دیکھتا ہے اور خواب میں وہ اپنی معشوقہ کے ساتھ کیا کیا اور کیسی کیسی حرکتیں کرتا ہے۔ دن بھر اس کے دماغ میں گھومنے والے خیالات مُتصوّر رہوکر

بشکل خواب رُونما ہوتے ہیں۔کسی لڑکے کا کسی لڑکی پر فریفتہ ہونا یہ تو فطری بات ہے لیکن کسی مرد کا کسی مرد کی طرف رجحان اور میلان (Inclination) ہونا سراسر غیر فطری بات ہے۔ لڑکے اور لڑکی کی تو شادی ممکن ہے لیکن لڑکے کی کسی لڑکے کے ساتھ شادی ناممکن ہے۔دنیا کا کوئی بھی مذہب اور سماج ایسے غیر فطری تعلقات کو روا نہیں رکھتا۔

ایک مرد کو دوسرے مرد کی طرف رغبت ہو اور وہ آپس میں اپنی نفسانی خواہش کو پورا کریں، ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اغلام باز کہتے ہیں اور ان کی یہ قبیح حرکت لواطت (Sodomy) کہی جاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل قبیح کی ابتداء حضرت لوط علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی قوم نے کی ہے۔ حضرت لوط علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ سے پہلے دنیا میں لواطت (Homosexuality) کس بلا کا نام ہے، وہ کوئی نہیں جانتا تھا۔عراق کے شہر ''سدوم'' میں آباد قوم لوط کو شیطان نے یہ فعل سکھایا۔اس فعل قبیح کی قرآن وحدیث میں سخت مذمت فرمائی گئی ہے۔جس کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں۔ صرف ایک آیت کریمہ پیش خدمت ہے:-

آیت :

" وَ لُوْ طًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمْ بِھَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ O اِنَّکُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَھْوَۃً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ "

(پارہ (۸)، سورۃ الأعراف، آیت (۸۰) اور (۸۱)

ترجمہ:-

''اور لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا وہ بے حیائی کرتے ہو، جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی ⊙ تم تو مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے''

(کنزالایمان)

المختصر! لواطت کے فعل قبیح کی ابتداء شیطان کے سکھانے سے قوم لوط نے کی۔اس کی وجہ کیا تھی؟ وہ ذیل میں قرآن مجید کی تفسیر سے درج ہے:-

شہر سدوم نہایت ہی، سرسبز وآباد تھا۔وہاں طرح طرح کے اناج، پھل اور میوے بکثرت پیدا ہوتے تھے۔نیز وہاں کی آب وہوا بھی فرحت بخش تھی۔شہر سدوم کی خوشحالی اور زرخیزی کی وجہ سے قرب وجوار کے لوگ وہاں سیر وتفریح کے لیے گاہے گاہے آیا کرتے تھے اور اپنے پہچان کے لوگوں یا رشتہ داروں کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔ہر گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہوتا تھا۔شہر کے لوگوں کو بحیثیت میزبان مہمانوں کی خاطر تواضع اور مہمان نوازی کا بوجھ اُٹھانا پڑتا تھا اور مہمانوں کی خدمت میں ان کا کافی مال اور وقت صرف ہوتا تھا۔روز بروز مہمانوں کی آمد اور انکی مہمان نوازی سے لوگ کبیدہ خاطر اور تنگ ہو چکے تھے لیکن مہمانوں کی بکثرت آمد کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔لیکن اخلاقی طور واطوار اور سماجی مراسم کا لحاظ کرتے ہوئے بادِل ناخواستہ بھی وہ مہمانوں کو ''خوش آمدید'' کہہ کر حتی الامکان اور حسب استطاعت ان کی

خاطر داری کرتے تھے۔

ایک عرصۂ دراز تک مہمانوں کی خاطر داری کرتے کرتے شہر ''سدوم'' کے باشندے اُکتا گئے تھے اور اب مہمانوں کو آنے سے روکنے کی کوئی تدبیر اور صورت تلاش کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین شہر ''سدوم'' میں ایک بوڑھے شخص کی صورت میں نمودار ہوا اور مہمانوں سے تنگ آئے ہوئے میزبان لوگوں کو جمع کر کے ان کو مشورہ دیا کہ اگر واقعی تم مہمانوں کی آمد سے پریشان ہو اور اس پریشانی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو، تو میں تم کو ایک آسان تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی تمہارے یہاں کوئی مہمان آکر ٹھہرے، تو اس کے ساتھ زبردستی بدفعلی کرو۔ ایک مرتبہ تمہاری اس حرکت کا تجربہ کرنے والا پھر کبھی تمہارے یہاں آنے کی جرأت و ہمت نہیں کرے گا۔ اور رفتہ رفتہ یہ بات پھیل جائے گی کہ تمہاری بستی میں آنے والے مہمان کی جبراً ''عصمت دری'' ہوتی ہے۔ تو پھر لوگ تمہارے یہاں آتے ہوئے جھجک محسوس کریں گے بلکہ اپنی مردانہ عصمت لُٹ جانے کے خوف سے تمہاری بستی میں پاؤں تک نہیں رکھیں گے۔

چنانچہ ابلیس لعین سب سے پہلے خوبصورت لڑکے کی شکل میں مہمان بن کر شہر ''سدوم'' میں آیا اور بستی والوں سے خوب خوب بدفعلی کرائی۔ خود مفعول بن کر بستی والوں کو لواطت کا فعل قبیح سکھایا اور رفتہ رفتہ بستی والے اس غیر فطری کام کے اس قدر عادی بن گئے کہ اپنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرنے لگے۔''

حوالہ: (۱) تفسیر روح البیان، جلد:۳، ص:۱۹۷

(۲) تفسیر خزائن العرفان، ص:۲۸۹

(۳) صاوی، جلد:۲، ص:۵۷ اور

(۴) عجائب القرآن، ص:۱۲۷

لواطت کی عادت عموماً نوعمری کے زمانے میں پڑتی ہے۔ جس کا اطلاق عام طور پر ۱۳، سال سے ۲۰، سال کی عمر پر ہوتا ہے اور ایسے نوجوانوں کو Teens Ager کہا جاتا ہے۔ جب کوئی ٹین ایج (Teenage) لڑکا ملازمت یا حصول تعلیم کی غرض سے اپنے گھر اور وطن کو چھوڑ کر کسی شہر میں جاتا ہے اور وہاں کسی ہاسٹل (دارالاقامہ) میں ٹھہرتا ہے۔ نئے ماحول میں شروع میں گھبراتا ہے۔ گھر کی یاد آتی ہے۔ پڑھائی یا ملازمت چھوڑ کر واپس چلے جانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن حالات کے پیش نظر مجبوراً اُسے پڑھائی یا ملازمت کے لیے رُکنا پڑتا ہے۔ لہذا وہ نئے ماحول، نئی آبادی، نئے لوگ، نئے ساتھی اور نئے طریقۂ کار سے مانوس ہونے کی کوشش میں حالات سے سمجھوتا کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ اب کچھ دل لگنے لگتا ہے۔ ہم عمر ساتھی طلبہ اور ہم عمر ساتھی ملازم کے ساتھ جان پہچان ہوتی ہے اور کچھ ہم عمر ساتھیوں سے دوستی ہوتی ہے۔ پھر وہ دوستی پروان چڑھ کر گہرے تعلق میں تبدیل ہوتی ہے اور پھر وہ تعلق محبت اور وارفتگی کے سنگار میں مزین ہو کر ایک روح اور دو قالب کی اعلیٰ منزل پر متمکن ہوتا ہے۔ ایک ساتھ رہنا، ایک ہی درجہ میں ایک ساتھ پڑھنا، ایک ساتھ کھانا، پینا، گھومنا، پھرنا، ایک ساتھ ہاسٹل میں رہنا، ایک دوسرے کے سکھ دکھ آپس میں بانٹنا، ایک دوسرے کے مخلص ہمدرد اور مونس و مددگار بن کر رہنا، وغیرہ تعلقات اتنے وسیع، گہرے، مضبوط، مستقل، قوی، پائیدار اور اٹوٹ بن جاتے ہیں کہ اب اسے گھر کی یاد نہیں آتی، اب گھر جانے کو جی نہیں چاہتا، بلکہ اگر تعطیلات (Vacation) میں گھر جاتا بھی ہے، تو چھٹیوں کے دن بڑی مشکل سے کٹتے ہیں اور ہر لمحہ اپنے رفیق خاص کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو رفتہ رفتہ ایک ان جان اور ان سمجھ

محبت کا روپ دھارن کرتا ہے۔ رات دن ایک ساتھ رہتے رہتے بے تکلفی، بے حجابی، بے شرمی، بے شعوری، بے ضابطگی، پر مشتمل طور و اطوار اور حرکات اب معمولی امر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مذاق، خوش طبعی، چھیڑ چھاڑ، ہنسی، ٹھٹھا، مسخری، وغیرہ بھی عام ہوتے جاتے ہیں۔ کبھی چھوٹی چھوٹی بات پر بحث یا جھگڑا بھی ہوتا ہے۔ چند لمحات کیلئے عارضی طور پر قطع تعلق بھی ہوتا ہے۔ پھر فوراً صلح یعنی روٹھنا، منانا بھی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو چھیڑنا، چھونا، بوس و کنار میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

نو عمری کا عالم، جوانی کا جوش، ایک دوسرے سے بے پناہ محبت، رات کی تنہائی، قریب قریب لیٹنا، پاس پاس سونا اور پھر ابلیس لعین کا دخل اور بہکانہ، ایسے عالم میں نو عمر (Teen Ager) کا پاؤں پھسلنا کوئی بعید بات نہیں۔ وہ غیر فطری ارتکاب میں ملوّث ہو جاتا ہے اور پھر اس کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ اردو زبان کے مشہور مقولہ ''عادت فطرت ثانیہ ہے'' یعنی ''پختہ عادت یا طبیعت فطرت بن جاتی ہے۔'' کا کامل مصداق بن جاتا ہے اور لواطت (Sodomy) کی قبیح لت کے دلدل میں ایسا پھنستا ہے کہ مرتے دم تک اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ (اِلّا ماشاءَ اللہ)

اب ہم کتاب ''تذکرۃ الرشید'' کی پیش کردہ دونوں عبارات کہ جن میں گنگوہی صاحب کے خواب کا تذکرہ ہے کہ گنگوہی صاحب نے مولوی قاسم نانوتوی صاحب کو بصورت دلہن دیکھا اور گنگوہی صاحب کا نکاح نانوتوی صاحبہ سے ہوا۔ ان دونوں عبارات پر اختصاراً اور اشارۃً و کنایۃً تبصرہ کریں۔

- ⊙ مولوی رشید احمد گنگوہی کی پیدائش ۶، ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کی ہے۔
- ⊙ مولوی قاسم نانوتوی کی پیدائش ۱۳، صفر المظفر ۱۲۴۸ھ کی ہے۔

حوالہ:

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن) ناشر: دار الکتاب، دیوبند، جلد: ۱، صفحہ: ۳۱

(۲) ''سوانح قاسمی''، ناشر، دار العلوم دیوبند، جلد (۱) ص: ۱۴۵

❍ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی دونوں نے دہلی میں ایک ساتھ رہ کر دہلی میں واقع اجمیری دروازہ عربک ہائی اسکول کے مدرس اول مولوی مملوک العلی صاحب نانوتوی سے ⊙ میر زاہد ⊙ قاضی ⊙ صدرا ⊙ شمس بازغہ وغیرہ ابتدائی کتب پڑھی تھیں۔ مولوی مملوک العلی نانوتوی مدرسہ اسلامیہ۔ دیوبند کے مدرس اوّل مولوی یعقوب نانوتوی کے والد تھے۔

اب تاریخ کی روشنی میں دیکھیں کہ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی حصول علم دین کے لیے دہلی کب گئے تھے؟ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

> حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے مشہور استاد یہی استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب ہیں۔ جن کی خدمت میں ہر دو شمس و قمر کو ایک زمانہ میں مدت تک حاضر رہنے اور نخلستان علم کے خوشہ چینی کا اتفاق رہا۔ حضرت مولانا قاسم العلوم تو ۱۲۶۰ ہجری ہی میں استاد الکل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی آئے تھے، مگر امام ربانی قدس سرہ کو ۱۲۶۱ ہجری میں دہلی پہنچنے کا اتفاق پیش آیا۔

حوالہ:

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' (قدیم ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارنپور (یوپی)، جلد نمبر: ۱، ص: ۲۷

(۲)''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی،
ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سنِ اشاعت ۲۰۰۲ء جلد نمبر: ۱، ص: ۵۰

مندرجہ بالا اقتباس سے ثابت ہوا کہ:-

⊙ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب حصول علم کے لیے ۱۲۶۱ھ میں دہلی گئے تھے اور تب ان کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی۔

⊙ مولوی قاسم نانوتوی صاحب حصول علم کے لیے ۱۲۶۰ھ میں دہلی گئے تھے اور تب ان کی عمر تیرہ (۱۳) سال تھی۔

۱۷، سالہ مولوی رشید احمد صاحب اور ۱۳، سالہ مولوی قاسم نانوتوی یعنی دونوں Teen Ager اپنے گھر اور وطن سے دور دہلی جیسے بڑے شہر (عروس البلاد) Metropolis City میں کتنا عرصہ ساتھ رہے؟ اور طالب علمی کے زمانے میں ان دونوں کے تعلقات کیسے تھے؟ ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

''حضرت امام ربّانی مولانا گنگوہی قدس سرّہ کو قاسم العلوم، زبدۃ الافاضل، مولانا المولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ساتھ طالب علمی کے زمانہ میں چار سال تک مرافقت ومعیت اور ہم سبقی و یک جہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا کہ فلک علم کے دونوں شمس وقمر گویا جسم وروح یا گل وبو کا علاقہ رکھتے اور یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے''

حوالہ:

(۱)''تذکرۃ الرشید'' (قدیم ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ محلّہ مفتی، سہارنپور (یوپی)، جلد نمبر: ۱، ص: ۴۰

(۲) ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء جلد نمبر: ۱، ص: ۶۷

مولوی رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی صاحب طالب علمی کے زمانہ میں صرف چند ماہ یا ایک سال ساتھ نہیں رہے بلکہ پورے چار (۴) سال کا طویل عرصہ ایک ساتھ رہے۔ علاوہ ازیں عام طور سے طالب علمی میں سرسری جان پہچان اور دعا سلام کا اوپری تعلق ہوتا ہے۔ لیکن گنگوہی صاحب اور نانوتوی کا تعلق ''مرافقت ومعیت اور ہمسبقی و یک جہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا''

اس جملہ کو لغت سے اچھی طرح حل کریں:-

☆ مرافقت = باہمی میل جول، ہم نشینی، اتحاد باہمی۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۴)

☆ مَعِیَّت = ساتھ، ہمراہی (حوالہ: ایضاً، ص: ۱۲۶۶)

☆ ہم سبق = ساتھ سبق پڑھنے والا، ہم درس، ہم جماعت (حوالہ: ایضاً، ص: ۱۴۴۷)

☆ یک جہتی = (۱) اتحاد، اتفاق، دوستی، (حوالہ: ایضاً، ص ۱۴۶۸)

(۲) Full Accord, Unanimity Accord

(حوالہ: English-Urdu-English Combined Dictionary, by Dr. Abdul Haq, Publisher : Star Pub. Pvt. Ltd. Delhi. Page No. 1458)

گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب عام طلبہ کی طرح نہیں تھے۔ ان کا آپس میں جو تعلق تھا، وہ سرسری اور عمومی کا نہیں تھا۔ بلکہ باہمی میل جول، ہم نشینی، ہمراہی اور باہمی اتحاد کی وجہ سے بے مثل ومثال تھا۔ چار سال تک ایک ساتھ۔ کھانے، پینے، پڑھنے، اُٹھنے،

بیٹھنے، رہنے، سونے، جاگنے، پھرنے کی وجہ سے تعلق اتنا بڑھ گیا تھا کہ بقول سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی **''دونوں جسم وروح یا گل وبو کا علاقہ رکھتے تھے اور یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے''** یعنی دونوں کا رشتہ اب جسم وروح کا رشتہ بن چکا تھا۔ روح انسان کے جسم میں سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اب دونوں میں سے کون روح اور کون جسم تھا؟ یا دونوں روح اور دونوں جسم تھے؟ یعنی کون کس میں سمایا ہوا تھا؟ یا دونوں ایک دوسرے میں سمائے ہوئے تھے؟ اور اگر ان کا رشتہ ''گل و بو'' یعنی پھول اور خوشبو کا تھا، تو پھول میں خوشبو ہی پیوست یعنی جذب ہوتی ہے۔ تو ان دونوں میں سے کون پھول اور کون خوشبو تھا؟ یا دونوں ہی پھول اور خوشبو تھے؟ یعنی کون کس میں جذب تھا؟ یا دونوں ایک دوسرے میں جذب تھے؟ اس کی وضاحت میرٹھی صاحب نے نہیں کی۔ البتہ محبت کے تعلقات کی آخری منزل ''یک جان دو قالب'' (   ) کی ضرور نشاندہی کی ہے۔ یعنی یہ دونوں طالب علمی کے زمانہ میں چار (۴) سال کی طویل مدّت تک ایک دوسرے کی محبت، الفت، ہمدردی، چاہت، لگن، پیار، دوستی، عشق، چاہ، فریفتگی، لگاؤ، باریابی، میلان، علاقہ، دُھن، خیال، رغبت میں ایسے دوچار ہوئے تھے کہ دونوں ایک روح اور دو (۲) جسم کی مثال بنے ہوئے تھے۔

طالب علمی کے زمانے میں ایک ساتھ گزارے ہوئے حسین دن اور رنگین راتیں گنگوہی صاحب کے ذہن میں پتھر میں کیے گئے نقش کی طرح مُنقّش ہوگئی تھیں۔ عالمی شہرت یافتہ عالم اور دیوبندی جماعت کے پیشوا کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود طالب علمی کا زمانہ اور مولوی قاسم نانوتوی کے ساتھ گزارے ہوئے حسین لمحات وہ بھول نہ سکے۔ بلکہ:-

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے،
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے۔

کے مصداق بن کر ماضی کے حسین ودلفریب لمحات کا عکس ان کے تصوّر میں اُبھرا کرتا تھا اور تخیل میں ماضی کی یاد کی اتنی بہتات ہوتی تھی کہ رات کو سوتے میں بھی ماضی کے وہ لمحات

انگڑائیاں لے کر بشکل خواب رونما ہوتے تھے۔

آیئے! اب گنگوہی صاحب کے خواب کے تعلق سے کچھ گفتگو کریں:-

⦿ ''ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ'' یعنی سوانح نگار کس درجہ غلو اور چاپلوسی سے کام لے رہا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔ اردو ادب میں لفظ **''ارشاد''** کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی معزز پیشوا رشد و ہدایت پر مشتمل کوئی بات یا نصیحت کرے۔ جب کسی بزرگ شخصیت کا کوئی قول نقل کرنے سے پہلے **''ارشاد فرمایا''** لکھا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اب اس بزرگ کا کوئی ایسا قول نقل کیا جائیگا جو نصیحت اور ہدایت پر مبنی ہے۔ لیکن گنگوہی صاحب کا بیہودہ اور گندہ خواب نقل کرنے سے پہلے میرٹھی صاحب نے لفظ **''ارشاد''** استعمال فرما کر یہ ذہن دینے کی کوشش کی ہے کہ اب جو خواب نقل کیا جارہا ہے، وہ قوم کو رشد و ہدایت کی تلقین وتعلیم کرنے والا ہے۔ بلکہ اس خواب کے تذکرہ سے قوم کو نصیحت کر کے ہدایت کی راہ پر گامزن کیا جائیگا۔ کتابوں میں بزرگان دین کے نیک خواب شائع کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کو پڑھ کر قوم نصیحت اور ہدایت حاصل کرے۔ لہٰذا ایسے خواب کی روایت کسی بزرگ سے نقل کرتے وقت راوی ہمیشہ لفظ **''ارشاد''** کہتا ہے یا لکھتا ہے۔ گنگوہی صاحب کے خواب کا تذکرہ کرنے میں بھی مؤرخ نے لفظ ''ارشاد'' لکھ کر بند لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ہمارے پیشوا گنگوہی صاحب کا جو خواب اب لکھا جارہا ہے، وہ خواب ہدایت کے خواستگاروں کے لیے مشعل راہ ہے۔ خواب کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:-

⦿ **''مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا''** (تذکرۃ الرشید، ص: ۲۸۹ کی عبارت) **''مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ ہوا''** (ص: ۲۴۵، کی عبارت)۔ اردو زبان کی مشہور مثل ہے کہ **''بلّی کے خواب میں چھچھڑے''**۔ یہاں دو (۲) باتیں قابل غور وفکر ہیں اور دونوں غیر فطری

ہیں۔پہلی بات تو مرد کا دلہن بننا اور جب دلہن بننے والا مرد کوئی مولوی ہو، تب مزید تعجب و حیرت کا احساس ہوتا ہے۔ایک داڑھی والا مولوی شخص دلہن کی طرح سج دھج کر زیبائش و آرائش اور بناؤ سنگار کے تمام سامان سے آراستہ وپیراستہ ہوکر اور سر پر لال چندری ڈال کر بیٹھا ہو، یہ منظر ہی عجیب وغریب اور غیر فطری ہے۔ذرا سوچیے تو صرف گنگوہی صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔کیونکہ وہی ایک عینی شاہد ہیں۔صرف انھوں نے ہی اپنی دلہن نانوتوی بیگم کو خواب میں دیکھا ہے۔ان کے علاوہ نوع انسانی کے تمام افراد نانوتوی دلہن کا مشاہدہ کرنے سے محروم ہیں۔صرف گنگوہی صاحب کی زبانی نانوتوی دلہن کا ذکر سن کر لطف اندوز ہوئے ہیں۔دوسری بات یہ کہ ایک مرد کا دوسرے مرد سے نکاح۔ چھی......چھی......چھی......اور توبہ......توبہ۔ایک مرد کا دوسرے مرد سے نکاح ہونا ضرور غیر فطری بات ہے لیکن ایک مولوی کا دوسرے مولوی سے نکاح ہونا مزید قبیح ورذیل فعل ہے۔کیونکہ اسلام ایک ایسا مہذب اور فطری دین ہے کہ اسلام نے ایسے غیر فطری افعال قبیحہ،شنیعہ اور رذیلہ کی روک تھام کے لیے اس کے مرتکب کے لیے سخت سزا متعیّن فرمائی ہے علاوہ ازیں عذاب شدید کی وعید بھی سنائی ہے۔پیغمبر اسلام سید المرسلین، **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو **اللہ تبارک وتعالیٰ** نے جو کچھ ہو گیا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، اس کا علم اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے اور **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دور بین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ایک زمانہ وہ آئیگا کہ لوگ پھر اس فعل قبیح کی طرف راغب ہوں گے۔لہٰذا ہم جنس پرستی (Homosexuality) کے تعلق سے ایسے سخت قوانین نافذ فرما دیئے کہ اس کے مرتکب کیلئے سزائے موت مُتعیَّن فرمادی۔قرآنِ مجید میں بھی کئی مقامات پر اس غیر فطری فعل کی سنگینی کا احساس دلایا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اس غیر فطری کام کی ابتداء **حضرت سیدنا لوط** علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی قوم نے شیطان کے ایماء اور تعلیم پر کی۔لیکن وہ لوگ بھی آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے۔ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر کے اغلام بازی اور امرد پرستی

کے انسانیت سوز مرض میں ضرور مبتلا تھا۔ان کے یہ غیر فطری افعال عارضی معاہدہ کے ہوتے تھے یعنی کسی مرد کو کسی دوسرے مرد کی طرف رغبت ہوتی تھی، تو وہ دونوں باہمی رضامندی سے چند دنوں یا ایک متعین قلیل مدّت تک عارضی طور پر ہم جنسی تعلقات قائم کرتے تھے اور پھر الگ ہوکر دوسروں سے تعلقات قائم کر لیتے تھے۔ان کا یہ تعلق زندگی بھر کیلئے نہیں ہوتا تھا بلکہ چند دنوں کیلئے اپنے پسندیدہ فرد کے ساتھ اغلام بازی کر کے اپنی شہوت فاسدہ کی تکمیل اور حصول لذّت کے اتمام کے بعد اجنبی بن جاتے تھے۔زندگی بھر اس غیر فطری فعل کے ساتھ منسلک رہنے کیلئے نکاح نہیں کرتے تھے۔

لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، لوگوں نے شرم وحیا کے مہذب لباس آہستہ آہستہ اپنے وجود سے زائل کرنا شروع کر دیئے۔زمانۂ ماضی میں ہم جنس پرستی کو اتنا معیوب سمجھا جاتا تھا کہ اس غیر فطری فعل میں ملوّث افراد کو ذلّت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔لیکن انیسویں صدی عیسوی میں ہم جنس پرستی کی لعنت دنیا میں عام ہوتی گئی اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ممالک نے اسے قانونی تحفظ کی زرہ (Iron Armor) پہنا کر ہم جنسوں کے تعلقات کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا۔مثلاً:-

(۱)	۱۹۳۲ء میں پولینڈ (Poland)	(۲)	۱۹۳۳ء میں ڈنمارک (Denmark)
(۳)	۱۹۴۴ء میں سویڈن (Sweden)	(۴)	۱۹۶۷ء میں برطانیہ (Britan)
(۵)	۱۹۹۶ء میں ناروے (Norway)	(۶)	۱۹۹۶ء میں آئس لینڈ (Island)
(۷)	۲۰۰۲ء میں فن لینڈ (Finland)	(۸)	۲۰۰۱ء میں نیدر لینڈ (Netherlands)
(۹)	۲۰۰۳ء میں بیلجیم (Belgium)	(۱۰)	۲۰۰۵ء میں اسپین (Spain)
(۱۱)	۲۰۰۵ء میں کناڈا (Canada)	(۱۲)	۲۰۰۷ء میں نیپال (Nepal)

علاوہ ازیں جنوبی افریقہ (South Africa) اور آسٹریلیا (Australia) وغیرہ

ملکوں نے ہم جنسی جیسے مہلک اور بھیانک ارتکاب کو جرائم (Crimes) کی فہرست سے خارج کر دیا اور مذکورہ ممالک میں سے بعض ممالک نے تو ہم جنسوں کی شادی کو قانونی طور پر تسلیم کرلیا ہے۔

خیر! یہ تو غیر اسلامی ممالک کے یہودی اور نصرانی باشندوں کے ہم جنسی تعلقات اور باہمی شادی کے روابط کے تعلق سے گفتگو ہوئی۔ لیکن ہم قارئین کی توجہ ایک نکتہ کی طرف مرکوز کرانا چاہتے ہیں کہ۔

ایک مرد اپنی شہوت کسی مرد سے پوری کرے (Sodomy) یہ ایک لائق مذمّت غیر فطری اور قبیح فعل ہے۔ اس روئے زمین پر اسکے مرتکب ہزاروں سال سے ہیں۔ لیکن ایک مرد کسی مرد سے شادی کرے یہ قباحت عام ہونے کو طویل عرصہ نہیں ہوا بلکہ بہت قلیل عرصہ ہوا ہے۔ البتہ غیر جنسی تعلقات کو جرائم کی فہرست سے خارج کر کے قانونی تحفظ دینے کی ابتداء ۱۹۳۲ء میں پولینڈ (Poland) نے کی ہے اور ہم جنسوں کو شادی کا حق سب سے پہلے ۲۰۰۱ء میں نیدرلینڈ (Netherland) نے دیا ہے۔ المختصر! ۲۰۰۱ء سے پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کا تصوّر بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ہم جنسوں کی شادی کا کسی کو خیال تک بھی نہ آیا تھا کیونکہ یہ ایک بعید از عقل اور قیاس سے ماوراء فعل تھا۔

لیکن ہم جنسوں کی شادی کا تصوّر ۱۹۰۵ء سے پہلے دیوبندی مکتبۂ فکر کے پیشوا نے مشتہر کیا۔ وہابی، دیوبندی جماعت کے پیشوا اور تبلیغی جماعت کے امام ربّانی مولوی رشید احمد گنگوہی کا انتقال ۸، جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ مطابق گیارہ (۱۱) اگست ۱۹۰۵ء بروز جمعہ ہوا ہے (حوالہ:- ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن) جلد نمبر (۲) ص: (۴۱۳) اور جناب گنگوہی صاحب نے مولوی قاسم نانوتوی کے ساتھ اپنا نکاح ہونے کا خواب اپنی محفل میں بیان کیا ہے۔ یہ خواب انھوں نے کب دیکھا؟ خواب کو اپنی محفل میں اپنے احباب کے سامنے کب بیان کیا؟ اس کی وضاحت ''تذکرۃ الرشید'' کے مؤلف نے نہیں کی۔ البتہ اتنا تو یقین

کامل کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ گنگوہی صاحب نے اس خواب کو اپنی حیات ناپاک میں بیان کیا ہے اور گنگوہی صاحب ۱۹۰۵ء میں موت کی آغوش میں چلے گئے۔ لہٰذا اتنا تو ہر کوئی شخص یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ خواب ۱۹۰۵ء سے قبل کا ہے۔

۱۹۰۵ء سے قبل دنیا کے کسی بھی خطّے میں ہم جنسوں کے باہمی نکاح کا کسی کو خیال بھی نہ آیا تھا۔ البتہ ہم جنسی تعلقات کی بدی صدیوں سے رائج تھی اور پوری دنیا میں اس بدی کی مذمّت و تذلیل کی جاتی تھی اور ہر مذہب اور ہر سماج نے اسے غیر فطری کام قرار دے کر اس فعل کے مرتکب کیلئے کڑی اور سخت سزا مقرر کی تھی۔ اور اس فعل قبیح کو جرائم کی فہرست میں نمایاں طور پر درج کیا تھا۔ لیکن ۱۹۰۵ء کے بعد اس غیر فطری کام سے گھِن اور نفرت میں کمی واقع ہونی شروع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۰ء کے درمیان یہودیوں کی عالمی تحریک صیہونی (Zionist) نے (Protocols of Elders) زیادہ عمر والے (Seniors) کے حکومتی معاہدے کے منصوبہ (Resolution) کے تحت خفیہ تحریک چلائی اور ہم جنس پرستی کو مقبول عالم اور اسے قانونی تحفظ دینے کی جد و جہد شروع کی اور خفیہ اجلاس (Secret Meetings) کا انعقاد کر کے اس کو خفیہ طور پر رائج کیا۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء یعنی دس (۱۰) سال تک یہ تحریک خفیہ طور پر چلائی گئی۔ پھر ۱۹۰۵ء میں پروفیسر ''سرگوئی نلوس'' نام کے ایک روسی (Russian) پادری نے علی الاعلان دنیا کے سامنے ہم جنس پرستی کا مناسب ہونا وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ پھر کیا تھا؟ یورپی اور مغربی ممالک میں ہم جنس پرستوں کی حمایت اور سرپرستی کا آغاز ہوا اور ۱۹۳۲ء سے ۲۰۰۱ء تک ستر (۷۰) سال کے عرصہ میں مغربی تہذیب کے دلدادہ ممالک میں ہم جنس پرستی (Homosexuality) سے کی جانے والی نفرت میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہونے لگی اور ایک وقت ایسا آیا کہ نفرت اب حمایت میں تبدیل ہوگئی۔ کئی ممالک نے اس قابل مذمت فعل کو جرائم (Crime) کی فہرست سے خارج کر کے اسے جائز اور مناسب قرار دیا۔

لیکن !! ابھی تک ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۵ء تک کے عرصہ میں بیلجیم (Belgium) اسپین (Spain) اور کناڈا (Canada) نے ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر تسلیم کر کے پوری دنیا میں ہلچل مچادی۔

اس بحث کو طول نہ دیتے ہوئے اب ہم اس بحث کے ماحصل اور اہم نکات کی طرف قارئین کرام کی توجہ ملتفت کراتے ہیں کہ:-

☆ ۱۹۰۵ء میں ایک روسی پادری نے ہم جنس پرستی (اغلام بازی) کے مناسب ہونے کا اعلان کیا۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۰۵ء میں انتقال کرنے والے وہابی دیوبندی جماعت کے آنجہانی پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے ۱۹۰۵ء سے پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کا خواب مشتہر کردیا اور شادی کے اس خواب میں دولہا کے روپ (Role) میں خود کو بتایا۔

☆ ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر ۲۰۰۱ء میں تہذیب اور اخلاق سے نابلد ممالک نے تسلیم کیا لیکن ۱۹۰۵ء سے پہلے تقریباً ایک صدی پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کی تقریب کا خواب مولوی رشید احمد گنگوہی نے مشتہر کر کے دنیا بھر کے اغلام بازوں کے لیے راستہ ہموار کر کے امید کی کرن جگمگا دی کہ جب ایک مولوی مرد دوسرے مولوی مرد کو دلہن کی صورت میں دیکھ کر اس سے شادی کا خواب دیکھ سکتا ہے، تو ہم کس کھیت کی مولی؟ مولوی صاحب نے خواب میں جو کیا، وہ ہم حقیقت میں کر دکھاتے ہیں۔ بھلا ہو مولوی صاحب کا! مرد سے مرد کی شادی کا خواب دیکھا اور اس کو مشتہر کر کے ہمارے لیے دائمی طور پر اغلام بازی کرنے کی راہ ہموار کردی۔ ان کے خواب کو ہم شرمندۂ تعبیر کر دکھاتے ہیں۔ ذہنیت نکاح مرد از مرد کا سہرا تو مولوی صاحب کے سر پر ہی باندھنا چاہیے۔ کیوں کہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو گنگوہی صاحب اس مفسد و خطرناک تحریک کے اولین محرک نظر آتے ہیں۔ اپنے ہم جنس محبوب کے ہجر میں تڑپنے والے اغلام بازوں پر ان کا تا قیامت احسان رہیگا کہ وصلِ ہم جنس محبوب کی آرزو اور تمنّا میں بے چین و بیقرار دلوں کیلئے سامانِ تسکین مہیا کرنے کی ذہنیت اُن

کے طفیل ہی ملی۔

⊙ گنگوہی صاحب نے خواب بیان کیا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مولوی قاسم دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا۔ پھر آگے خواب بیان کرتے ہیں کہ "سو **جس طرح زن وشوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے، اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہونچا ہے**" یعنی شوہر اور بیوی کے ازدواجی تعلقات میں ایک دوسرے کو جس طرح فائدہ پہونچتا ہے بالکل اسی طرح گنگوہی صاحب کو نانوتوی صاحب سے اور نانوتوی صاحب کو گنگوہی صاحب سے فائدہ پہونچا ہے۔ زن وشوہر نکاح کے مقدّس رشتہ سے بندھ کر ایک دوسرے کے رفیق حیات بن کر بے شک ایک دوسرے کو بے شمار فائدے پہونچاتے ہیں لیکن ان کے رشتہ کی ابتداء جنسی تعلقات سے ہوتی ہے۔ اور اسی جنسی تعلق کے طفیل انھیں ایک سال کے بعد ماں اور باپ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے رشتہ کی بنیاد ہی جنسی تعلق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوع انسانی کی بقاء اور دوام کیلئے مرد اور عورت کے جنسی تعلق کو سبب بنایا ہے اور اس میں ایسی لذت، سکون، لطف، مزہ، ذائقہ، حلاوت، رغبت، میلان، خواہش، آرزو، ارمان، شوق، مٹھاس، شیرینی، راحت، آرام، سکھ، چاہ اور چسکا رکھا ہے کہ نوعِ انسانی کی اکثریت اس کے حصول کو اپنا مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہے اور اس کی حرص وہوس میں جان توڑ جدوجہد میں جان باختہ ہے۔

اگر کسی مرد اور عورت کیلئے یہ کہا جائے کہ ان کا رشتہ زن اور شوہر یا میاں اور بیوی کا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان دونوں میں جنسی تعلق قائم ہے۔ مرد اور عورت نکاح کے بعد جنسی تعلق قائم کریں یہ ایک فطری امر ہے۔ جسے دنیا کے ہر مذہب اور ہر سماج نے روا رکھا ہے۔ لیکن ایک مرد دوسرے مرد سے نکاح کرے یا جنسی تعلق قائم کرے یہ ایک ایسا قبیح، معیوب، بُرا، شرمناک، نازیبا، غیر مناسب، ناپسندیدہ، نامعقول، غیر موزوں، بے جا اور ناخوشگوار غیر فطری کام ہے، جس کی ہر مذہب وسماج نے مذمت کی ہے اور اپنی قلبی نفرت کا

مظاہرہ کیا ہے۔گنگوہی صاحب اپنے خواب کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ میں نے اور مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے مثلِ میاں بیوی ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا ہے۔میاں بیوی کو سب سے پہلا فائدہ جنسی تعلق کی مسرت کا حاصل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اس قدر عام ہے کہ ہر شخص اس سے واقف ہے۔گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحبہ سے بیوی کا سا فائدہ حاصل کرنے کی بات جوشِ جنوں اور جذبۂ عشق کے سیلاب میں بہک کر کہہ تو دی لیکن فوراً خیال آیا کہ ہائے ہائے! میں نے رازِ سربستہ فاش کر دیا۔رازِ نہاں کو عیاں کر دیا۔خفیہ راز کی بات منہ سے نکل گئی۔اب کیا ہوگا؟ **''منہ سے نکلی کوٹھوں چڑھی''** اور **''منہ سے نکلی ہوئی بات پرائی''** والی مثل کے مطابق اب یہ راز و نیاز کی باتیں عوام الناس کے مابین مشہور ہو جائیں گی اور میری عزت دو کوڑی کی نہ رہے گی اور عزت میں بٹا لگ جائیگا۔یہ خیال آتے ہی گنگوہی صاحب نے بات کو حسین موڑ دینے کی سعیٔ ناکام کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

⊙ **''اُنھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے اُنھیں مرید کرا دیا''**۔ یہاں جس ''حضرت رحمۃ اللہ علیہ'' کا ذکر ہے، اس سے مراد **حاجی امداد اللہ صاحب** مہاجر مکی ہیں، جو مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر و مرشد ہیں۔بات کو کیسا حسین رخ دیا جا رہا ہے۔ پہلے تو یہ کہا کہ نانوتوی صاحب بشکل دلہن بیٹھے ہوئے خواب میں نظر آئے اور میرا اُن سے نکاح ہوا۔یعنی گنگوہی دولہا بنے اور نانوتوی صاحب اب نانوتوی صاحبہ بن کر گنگوہی صاحب کی بیگم بنے۔وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے دو (۲) پیشوا خواب میں ازدواجی رشتہ سے منسلک ہوئے۔جناب پروفیسر خالد محمود مانچسٹری صاحب کو اُن کے دو (۲) پیشوا کی ہم جنسی شادی کی مبارک بادی......مبارک......مبارک!!! مانچسٹری صاحب خوشیاں مناؤ، دولہا دلہن کی جوڑی سلامت رہے کی دعا مانگو۔اگر جشنِ شادی کی تہنیت میں مٹھائی تقسیم کرو، تو براہ کرم ہمیں مت بھیجنا۔ہم گیارہویں شریف کی مٹھائی کھانے والے ایسی ناروا اور غیر فطری شادی کی

مٹھائی نہیں کھاتے۔ہم آپ سے شادی کی مٹھائی کا تقاضا نہیں کرتے۔البتہ ہمارا ایک تقاضا بطورِ قرض آپ کے سر ہے کہ براہِ کرم آپ ہمیں یہ تفصیلات فراہم کریں کہ ❍ شادی میں مہر کی رقم کتنی طے پائی تھی؟ ❍ نانوتوی صاحبہ کو جہیز میں کیا دیا گیا تھا؟ ❍ نکاح کے وکیل اور گواہ کون تھے؟ یا پھر بغیر وکیل و گواہ ہی بند کمرے میں باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کو شوہر اور گھر والی تسلیم کر لیا تھا؟

خیر! گنگوہی صاحب اپنے خواب کے نکاح کا تذکرہ کر کے اپنی بیگم نانوتوی صاحبہ سے ازدواجی رشتہ سے بندھنے کے بعد جس فائدہ کی بات کرتے ہیں، وہ بدبودار نجاست کے ڈھیر پر ریشمی چادر ڈالنے کے مترادف ہے۔یعنی گنگوہی صاحب کی نانوتوی صاحبہ سے ہوئی غیر فطری شادی کا صرف ایک ہی فائدہ ہوا کہ بیگم نانوتوی صاحبہ نے ازدواجی زندگی کا حق اور فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنے پیارے شوہر گنگوہی صاحب کے سامنے حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی صاحب کی اتنی زیادہ تعریف کی اور اتنی خوبیاں و اوصاف بیان کیے کہ گنگوہی صاحب اپنی جاں نثار اور وفادار پیاری بیگم کی پیاری پیاری اور میٹھی میٹھی دل کو بھاتی باتوں پر اعتماد کر کے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرید ہو گئے اور بیگم نانوتوی صاحبہ کو اس غیر فطری نکاح کا یہ فائدہ ہوا کہ بیگم نانوتوی صاحبہ کی رہنمائی کی وجہ سے گنگوہی صاحب کو حاجی امداد اللہ صاحب جیسے پیر و مرشد ملے، تو گنگوہی صاحب نے بھی ایک شفیق شوہر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنی ہمدرد اور محسنہ پیاری بیگم نانوتوی صاحبہ کے احسان کا بدلہ چکاتے ہوئے اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی سے سفارش کر کے اُنھیں بھی حاجی صاحب سے بیعت کرا دیا۔یعنی گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب سے نکاح کے خواب میں جو کہا کہ **''جس طرح مرد اور عورت کو جو فائدہ پہونچتا ہے، ایسا ہی فائدہ ہم دونوں کو پہونچا ہے''** اس کی وضاحت بلکہ اپنا دفاع کرتے ہوئے گنگوہی صاحب یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ مثلِ زن و شوہر ہم دونوں نے جو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم

دونوں نے ایک دوسرے کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی صاحب سے مرید کرایا ہے۔

⊙ اگر یہی مراد ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ **"جس طرح زن وشوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے"** کیا مرد اور عورت صرف اسی لیے نکاح کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو کسی کامل پیر سے مرید کرادیں؟ کیا مرد اور عورت نکاح کے بعد جنسی تعلق قائم ہی نہیں کرتے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زن وشوہر نکاح کے بعد ضرور جنسی تعلق قائم کرتے ہیں۔ نکاح کے بعد کی پہلی شب جس کو **"سہاگ رات"** کہا جاتا ہے۔اس رات سے دونوں میں جنسی تعلق قائم ہوتا ہے اور جنسی تعلق کو جائز اور مناسب قرار دینے کیلئے ہی نکاح ہوتا ہے۔عوام کی اصطلاح میں نکاح کا معنی ہی یہی ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان جنسی تعلق کا قائم ہونا۔ دونوں ایک دوسرے سے محظوظ اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔اور اسی کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ جو ایک کو دوسرے سے پہونچتا ہے۔گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے مثل زن و شوہر فائدہ اٹھایا۔اس حقیقت کا تو گنگوہی صاحب اعتراف کرتے ہیں لیکن جو فائدہ اُٹھایا ہے اس کی بے تکی تاویل کرتے ہیں کہ ہم نے مثل زن وشوہر فائدہ ضرور اُٹھایا ہے۔لیکن ہمارا یہ فائدہ جنسی تعلق سے بری اور بعید ہے۔ہم نے ایک دوسرے کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکّی سے مرید کرانے کیلئے نکاح کا فائدہ اُٹھایا ہے۔

کیسی غیر موزوں، بے ڈھنگی اور بے جوڑ تاویل گنگوہی صاحب کر رہے ہیں۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب سے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو مرید کرایا ہے، یہ بات بتانے کیلئے باہمی جنسی اور غیر فطری نکاح کی منظر کشی کرنا، نانوتوی صاحب کو دلہن کے بناؤ سنگار میں مزیّن (Decorated) کرکے دکھانا، پھر مثل زن وشوہر باہمی لطف اندوزی اور حصول فائدہ کا ذکر کرنا، ایسا غیر مربوط اور بے میل تذکرہ ہے کہ جس کا زمین آسمان پر ٹھکانا نہیں لگتا۔ گنگوہی صاحب کی اس بے تکی اور بے ربط تاویل کے ضمن میں یہ مثال نہایت ہی موزوں ثابت ہو رہی ہے کہ کوئی شخص اپنا خواب یوں بیان کرے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک

بہت بڑے شراب خانہ میں ہوں۔سو جس طرح شرابی لوگ شراب سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اسی طرح میں بھی لطف اندوز ہوا۔ایک ڈول شراب کی بھر کے اس سے وضو اور غسل کر کے نماز پڑھی۔توبہ......توبہ......جب وضو اور غسل کر کے نماز پڑھنی تھی، تو شراب خانہ میں جا کر شراب کی ڈول بھر کے وضو اور غسل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کسی مسجد کے حوض سے وضو، غسل کر لینا تھا۔اسی طرح اگر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے مرید ہونے کا ایک دوسرے کو فائدہ پہونچانا تھا تو غیر فطری اور ہم جنسی نکاح کرنا اور مثل شوہر و بیوی ایک دوسرے کو فائدہ پہونچانے کی بات کرنا کیا معنی رکھتی ہے ؟ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور تھا۔ ماضی کے دھندھلے نقوش ایّام رفتہ کی گرد کی دبیز تہ میں دبے ہوئے تھے، جو اچانک انگڑائی لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور بشکل خواب ذہن کے پردے پر اُبھر آئے تھے، جو بے ساختہ بھری محفل میں بیان کر دیا اور افشائے راز ہو گیا۔بقول شاعر:-

ندامت ہوئی حشر میں جنکے بدلے = جوانی کی دو چار نادانیاں تھیں

⊙ گنگوہی صاحب نے خواب کی نہاں کیفیت بھری محفل میں بیان کر کے عیاں کر دی اور اپنی **عقل کا چراغ گل ہو جانے** کا ثبوت پیش کر دیا۔گنگوہی صاحب کی محفل میں بیٹھنے والے ان کے مریدین، محبین اور متعلقین بھی عقل کا دیوالہ نکالنے میں گنگوہی صاحب سے دو(۲) نہیں بلکہ چار قدم آگے تھے۔گنگوہی صاحب کی چمچا گیری، خوشامد اور چاپلوسی کرنے میں دماغ کو مغز سے خالی کر کے ہر بات میں ہاں جی ہاں جی کیا کرتے تھے بلکہ **کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا** والی مثل کے مصداق بن کر ایسی احمقانہ اور جاہلانہ تائید وتوثیق کرتے تھے کہ **"چور کا بھائی گٹھ کترا"** ہی محسوس ہوتے تھے۔

گنگوہی صاحب نے اپنا نکاح نانوتوی صاحب کے ساتھ ہونے کا خواب اپنے چمچوں کے سامنے بیان کیا۔حالانکہ وہ خواب اتنا گھٹیا قسم کا تھا کہ معمولی عقل وفہم رکھنے والا بھی اسے سن کر بیزار ہو جائے۔لیکن ایسا قابل نفرت اور گھناؤنا خواب سن کر گنگوہی صاحب کے

چچے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے ایسے گندے خواب کو موزوں اور مناسب ثابت کرنے کیلئے قرآنِ مجید کی مقدس آیت کریمہ کو بے محل و بے موقع چسپاں کر کے **اندھا گائے۔ بہرا بجائے** والی مثل کو صادق کر دیا ہے۔

قرآنِ مجید، پارہ (۵)، سورۂ نساء کی آیت نمبر (۳۴) "**اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ**" ترجمہ:- "مرد افسر ہیں عورتوں پر" اس آیت کے ضمن میں تفصیلی تبصرہ کرنے کا مُصمَّم ارادہ تھا لیکن "**داڑھی والی دلہن**" عنوان کا مضمون اتنا طویل ہو گیا ہے کہ اب بالا ختصار عرض خدمت یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنائے رکھنے اور میاں بیوی کے تعلقات میں تنازع، جھگڑا، رنجش، عداوت، اختلاف جیسے قبیح معاملات کا دخل روکنے کے لیے اور معاشرے کے نظام کو حسن سلوک کے اخلاق گوہر سے مزیّن اور آراستہ کرنے کیلئے شوہر اور بیوی کے مراتب و مناصب کا فرق واضح کرنے کیلئے عورتوں پر مردوں کی حکمرانی بیان فرمائی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں تفسیر کی معتبر و معتمد کتب تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ حضرت سعد بن ربیع جو انصار کے نقیب تھے۔ ان کی شادی حضرت زید بن زبیر کی بیٹی حضرت حبیبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک دن حضرت سعد نے اپنی بیوی کو نافرمانی کی وجہ سے ناراض ہو کر ایک طمانچہ مار دیا۔ حضرت حبیبہ کے والد اپنی بیٹی کو لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور استغاثہ کیا کہ داماد سعد نے بیٹی حبیبہ کو طمانچہ مارا ہے۔ لہذا داماد سے قصاص دلوایا جائے۔ یعنی بیٹی حبیبہ کو اجازت دی جائے کہ وہ داماد سعد کو تھپڑ کے بدلہ میں تھپڑ مار لے۔ اس مطالبۂ قصاص پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور یہ حکم نافذ فرما دیا گیا کہ بیوی اپنے خاوند سے تھپڑ کا قصاص نہیں لے سکتی۔

المختصر! اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بزرگی دی ہے۔ گھریلو معاملات میں خاوند کو بادشاہ کا منصب حاصل ہے اور بیوی گھر کے وزیر کا رتبہ رکھتی ہے۔ خاوند گھر کا بادشاہ ہے اور

بیوی بچے رعیت ہیں۔ بیوی بچوں کا نان ونفقہ و دیگر ضروریات پورا کرنے کے لیے شوہر محنت و مشقت برداشت کر کے کماتا ہے۔ بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری شوہر کے سر ہوتی ہے۔

اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ گنگوہی صاحب کے گندے خواب کو اس آیت سے کوئی نسبت ہے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ پھر بھی گنگوہی صاحب کی چاپلوسی اور چمچا گیری کا حق ادا کرتے ہوئے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے بے تکی تطبیق اور بے جا ربط کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ چسپاں کرنے کی مذموم حرکت کی ہے۔ اس پر طرّہ یہ کہ چمچے کی بات کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے بلکہ اس کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے گنگوہی صاحب نے فرمایا کہ "**ہاں، آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں**" یعنی گنگوہی صاحب کے غیر فطری نکاح کے خواب کے تعلق سے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے قرآنِ مجید کی مقدس آیت کریمہ "**اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ**" سے غلط استدلال کرنے کی جو قبیح جرأت کی ہے، اسے گنگوہی صاحب سراہتے ہیں کہ ہاں! ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مرد اور عورت یعنی خاوند و بیوی کے مابین جو جنسی تعلق ہوتا ہے (وطی یا ہمبستری یا Intercourse) اس کے نتیجہ میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں، انکی پرورش شوہر کرتا ہے۔ ہاں! ہاں میں بھی ایک فرض شناس شوہر کی حیثیت سے نانوتوی صاحب کے بچوں کی تربیت یعنی پرورش کرتا ہوں۔ عبارت میں "**تربیت کرتا ہوں**" کا جملہ نہیں بلکہ "**تربیت کرتا ہی ہوں**" کا جملہ ہے یعنی عبارت میں لفظ "ہی" وارد ہے۔ لغت میں لفظ "ہی" کے چند معنی مرقوم ہیں۔ ○ اکیلا ○ تنہا ○ محض ○ صرف ○ ضرور ○ فقط وغیرہ۔ علاوہ ازیں اسے حرف تاکید بھی کہتے ہیں یعنی کسی جملہ کو مؤکد یعنی تاکید و اصرار کے ساتھ کہتے وقت "ہی" کا استعمال ہوتا ہے۔ یعنی گنگوہی صاحب مذکورہ آیتِ کریمہ کے ضمن میں یقین اور زور دے کر اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ نانوتوی صاحب سے پیدا شدہ بچوں کی میں اکیلا ضرور پرورش کرتا ہوں۔ یعنی بند لفظوں میں گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب کے ساتھ زوجیت کے قیاسی رشتہ کا اعتراف کر لیا ہے۔

⦿ صرف قیاسی رشتۂ زوجیت تک ہی گنگوہی صاحب محدود نہیں رہے۔ بلکہ طالب علمی کے زمانے میں چار سال تک ایک ساتھ کھا، پی، اُٹھ، بیٹھ، سو، جاگ، پڑھ اور رہ کر گزارے ہوئے سہانے دنوں کی رنگین یادیں گُدگُدانے لگیں۔ ماضی میں اپنے یار و محبوب کے ساتھ پیار و محبت کے لمحات حسین یادوں کے گلدستے لیکر دماغ کے دریچے کو کھٹکھٹانے لگے۔ ادھورے اور مرجھائے ہوئے ارمان جو دل کے ویران کونے میں کاہلی اور اُداسی کا لبادہ اُوڑھ کر بے حس و حرکت خوابیدہ تھے، وہ یکا یک ایک نئے جوش و خروش کے ساتھ انگڑائیاں لیتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنا یار سپنوں کی رانی بن کر بشکل دلہن خواب میں زوجیت کے رشتہ سے منسلک ہوتا نظر آنے لگا۔ لیکن خواب بھی بالآخر خواب ہی ہے۔ آنکھ بند ہونے کے عالم میں نظر آنے والے سنہرے منظر آنکھ کھلتے ہی ''ھباءً منثورًا'' ہو کر کافور ہو جاتے تھے اور دل مضطر کو بیقراری کی شدّت اور اذیت پہونچاتے تھے۔ صبر و تحمّل کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا اور ایک وقت وہ آیا کہ پیمانہ چھلک گیا۔ پھر کیا ہوا؟

بھری محفل میں گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب کو ایک چارپائی پر......؟؟

⦿ قارئین کرام پہلے مندرجہ ذیل حکایت کا بغور مطالعہ فرمائیں:-

حکایت:۳۰۵

''حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن

صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور نانوتویؒ کے مرید و شاگرد سب جمع تھے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرما سے گئے۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا۔ جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو''

حاشیہ حکایت = ۳۰۵ اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔ کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں۔ ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے اور مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کر دیا۔ ہر گلے را رنگ و بوے دیگر ست۔

حوالہ:

(۱) ''**حکایات اولیاء**''، از: مولوی اشرف علی تھانوی، مع اشرف التنبیہ وحاشیہ، ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، حکایت نمبر: ۳۰۵، صفحہ: ۲۷۳

(۲) ''**ارواح ثلٰثہ**''، از: مولوی اشرف علی تھانوی، باہتمام: مولوی ظہور الحسن کسولوی، ناشر: کتب خانہ امداد الغرباء۔ سہارنپور (یوپی)، حکایت نمبر: ۳۰۵، صفحہ: ۲۸۹

(۳) ''**حکایات اولیاء**''، از: مولوی اشرف علی تھانوی،، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، حکایت نمبر: ۳۰۵، صفحہ نمبر: ۳۰۷

(۴) ''**حکایات اولیاء**''، از: مولوی اشرف علی تھانوی،، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، سن طباعت: ۲۰۱۳ء، حکایت نمبر: ۲۵۱، صفحہ نمبر: ۲۳۰

وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے نام نہاد ''**حکیم الامت**'' اور ''**مجدد**'' مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اس واقعہ کو روایت فرماتے ہیں، یہی ایک بات ہی اس واقعہ کی صحت کیلئے دیوبندی مکتبہ فکر کیلئے کافی ہے۔ لیکن تھانوی صاحب اس واقعہ کے صحیح ہونے کے ثبوت میں اپنی جماعت کے دو (۲) معتبر راویوں کا حوالہ پیش کر رہے ہیں اور ان دونوں راویوں نے کسی سے سن کر نہیں بلکہ بھری مجلس میں حالت بیداری میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد روایت کیا ہے۔ ان کی حیثیت تھانوی صاحب کے نزدیک ''**ثقہ راوی**'' یعنی معتبر اور معتمد راوی کی ہے۔ یعنی انھوں نے جو واقعہ تھانوی صاحب سے روایت کیا اور ان سے سماعت کر کے تھانوی صاحب نے جو واقعہ کتاب میں بیان کیا ہے وہ سو فیصد (100%) سچا واقعہ ہے۔ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے، کسی کا گھڑا ہوا گپ نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی اور سچ مچ وقوع پذیر معاملہ ہے۔ جس کے سچ ہونے میں ذرّہ برابر بھی شک و شبہ کا امکان نہیں۔ اسی لیے تو واقعہ بیان کرنے سے پہلے تھانوی صاحب نے معتبر راویوں کے نام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ''**حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب، عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیھما نے بیان فرمایا**'' کہ کیا بیان فرمایا؟

''**ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و**

شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے'' یعنی جو معاملہ وقوع پذیر ہوا، وہ تنہائی میں، بند کمرے میں نہیں ہوا بلکہ بر سر عام یعنی کھلم کھلا ہوا ہے۔ انجان اور پرائے لوگوں کے سامنے نہیں ہوا ہے بلکہ اپنے خاص الخاص احباب یعنی مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں ہوا ہے۔ صرف دو پانچ یا دس بارہ مرید و شاگرد کے سامنے نہیں ہوا ہے بلکہ بقول تھانوی صاحب ''**مرید و شاگرد سب جمع تھے**'' یعنی جمعیت طلبہ اور حلقۂ مریدین سب کے سب جمع تھے۔ ان مریدوں اور شاگردوں کے پیر صاحب اور استاد محترم بھی ''**یک روح دو قالب**'' کی حیثیت سے موجود تھے۔ یعنی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب بھی اس محفل میں جلوہ افروز تھے۔

گنگوہی صاحب طالب علمی کے زمانہ سے نانوتوی صاحب سے **جسم و روح کا تعلق** رکھتے تھے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ گنگوہی صاحب کو خواب میں ایسے مناظر نظر آنے لگے کہ نانوتوی صاحب دلہن بنے ہوئے ہیں اور گنگوہی صاحب کا نکاح نانوتوی صاحب (صاحبہ) سے ہوا۔ رشتۂ زوجیت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے سے فائدہ پہونچا۔ جیسا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے۔ گنگوہی صاحب کے تخیل اور تصوّر میں نانوتوی بیگم کا وجود ایسا چھایا ہوا تھا کہ فنائیت کی منزل عبور کر چکا تھا۔ آج شاگردوں اور مریدوں سے کھچا کھچ بھری محفل میں نانوتوی صاحب کی موجودگی نے دل کے خاموش اور سوئے ہوئے ارمانوں کو اتنا زور سے جھنجھوڑا کہ گنگوہی صاحب کے صبر و تحمل کا پیمانہ چھلک گیا اور بقول شاعر۔

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کیئے بغیر
کام ان کی بیقرار نگاہوں سے پڑ گیا

صبر و تحمل کا دامن گنگوہی صاحب کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بلکہ ''**پیار کیا، توڑ رنا**

کیا؟" والا معاملہ ہوگیا۔ اب تک جس کی محبت کا چھپ چھپ کر دم بھرتے تھے اور ہجر کی آگ میں اپنے دل کو جلاتے تھے بلکہ بھُونتے تھے اور نتیجۃً جو دھواں اٹھتا تھا، اس سے دم گھٹتا تھا۔ عرصۂ دراز سے اس گھٹن کو ضبط کر کے اُکتا گئے تھے۔ دل میں امنڈتے ہوئے ارمانوں کے سمندر کو آج تک قابو میں رکھا۔ لوگوں اور سماج کے پاس ولحاظ نے شرم وحیا کے دائرے میں محدود اور مقیّد کر رکھا تھا اور **"شرم والے کے پھوٹے کرم"** اور **"شرم ہی شرم میں کام تمام ہوا"** والی امثال پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے لقائے محبوب سے محروم و مایوس ہی رہا۔ لہٰذا اب **"شرم چہ کتی است کہ پیش مرداں آید"** والی مثل کو اپنائے بغیر چارہ نہیں کب تک **"دم گھٹ گھٹ کر رہنا"** پر عمل کر کے صبر وتحمل کی کلفت برداشت کروں؟ اب تو **"حیا آنکھوں سے دھوڈالنا"** اشد ضروری ہوگیا ہے۔ مرید اور شاگرد بڑی تعداد میں موجود ہیں تو کیا ہوا؟ انھیں بھی سچی محبت کا درس سکھادوں اور باور کرادوں کہ سچی محبت کرنے والے کسی سے بھی نہیں ڈرتے۔

نانوتوی کی محبت کے نشے میں سرشار گنگوہی صاحب نے بھری محفل میں اپنے مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں اپنی بیباک محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نانوتوی صاحب سے عام لہجہ میں نہیں بلکہ بقول تھانوی صاحب **"محبت آمیز لہجہ میں فرمایا"** یعنی محبت سے بھرے ہوئے انداز میں حکم دیا۔ محبت اور حکومت سے مرکب حکم صادر فرمایا۔ جیسے کوئی شوہر اپنی فرمانبردار جورو کو حکم دیتا ہے۔ حکم کیا تھا؟ **"یہاں ذرا لیٹ جاؤ"** ہائے ہائے۔ توبہ توبہ۔ لیٹ جاؤں اور وہ بھی بھری محفل میں؟ مرید اور شاگرد سے بھری ہوئی محفل میں کیوں کر لیٹوں؟ میں تو مارے شرم کے مر ہی جاؤں۔ ایسی بے حیائی اور بے شرمی مجھ سے نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا نانوتوی صاحب **"کچھ شرما سے گئے"**۔ شرم کی وجہ سے نہیں لیٹے۔ لیکن گنگوہی صاحب نے تو یہی ٹھان لیا تھا کہ کچھ بھی ہو، آج تو خوابوں کی ملکہ بیگم نانوتوی کو بھری محفل میں لِٹا کر ہی رہوں گا۔

پہلی مرتبہ محبت آمیز لہجہ میں لیٹ جانے کا حکم دیا۔ مگر نانوتوی صاحب شرما کر رہ گئے اور حکم کی تعمیل میں تامّل کیا۔ لہٰذا مکرّر حکم نافذ فرمایا۔ **"مگر حضرت نے پھر فرمایا، تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے"**۔ نانوتوی صاحب سمجھ گئے تھے کہ سیّاں اب ماننے والے نہیں۔ ان کی عادت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ایک مرتبہ جس کام کی ٹھان لی وہ پورا کر کے ہی چھوڑیں گے۔ اپنی ضد پوری کر کے ہی رہیں گے۔ ہرگز ماننے والے نہیں۔ مجھ کو لِٹا کر ہی رہیں گے۔ لہٰذا شرمانا اور نازنخرے کرنا بیکار اور بے سود ہے۔ اب شرم وحیا کا لبادہ اتار پھینک کر میں بھی اپنے عاشق کے شرارتی عشق کے رنگ میں رنگ جاؤں، یہی مناسب ہے بلکہ جنونِ عشق کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے نانوتوی صاحب لیٹ گئے۔ محبت کے آداب واطوار بجالاتے ہوئے **"بہت ادب کے ساتھ"** لیٹ گئے۔ صرف "ادب کے ساتھ" نہیں بلکہ **"بہت ادب کے ساتھ"** واہ! کیا ادب ہے۔ کیا تعظیم ولحاظ ہے!!! عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ادب وتعظیم کے تقاضوں کو نامناسب کہنے والے گروہ کے پیشوا عشق فاسد کے ادب واحترام کے تقاضوں کی بجا آوری میں کس قدر غلو سے کام لے رہے ہیں۔

نانوتوی صاحب بہت ادب کے ساتھ لیٹے اور کیسے لیٹے؟ بقول تھانوی صاحب **"چت لیٹ گئے"** یعنی عورت کی طرح۔ کیونکہ مرد وعورت جب ہمبستر ہوتے ہیں تو عورت ہمیشہ چت لیٹتی ہے۔ بستر میں مرد کے ساتھ سوتے وقت عورت کی عادت اور ہیئت کو آشکارا کرتے ہوئے نانوتوی صاحب بھی چت ہی لیٹے۔ پھر کیا ہوا؟

"حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے"

کے مطابق نانوتوی صاحب کی دلفریب، دل بستہ، دل آرا، دل پذیر، دلچسپ اور دل نشین ادا دیکھ کر گنگوہی صاحب کی حالت **"دل ہی جانتا ہے۔ دل ہی کو معلوم ہے"** کی طرح ہوگئی۔ اب دل اپنے قابو میں نہیں۔ بقول شاعر **"جب شمع کا شعلہ لہرایا۔ اُڑ کے چلا پروانہ بھی"**

کے مطابق گنگوہی صاحب بھی اُڑ چلے اور بقول تھانوی صاحب **"حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے"**۔ بھری محفل میں محبّ ومحبوب یا پھر عاشق ومعشوق کہو دونوں اب ایک ہی چارپائی پر موجود ہیں۔ وصل محبوب اور لقائے معشوق کے حسین لمحات رونما ہورہے ہیں۔ گنگوہی صاحب گویا اپنی منزل مقصود کو پہونچ گئے۔ مرادِ قلبی حاصل ہوگئی۔ دل کے ادھورے ارمان پورے ہونے کا سنہرا موقعہ آگیا۔ آرزو اور حسرت کی تکمیل کی سعادت میسّر ہوگئی۔ طالب علمی کے زمانے کا ہم سبق یار اب ہم بستر ہے۔ دل کا کنول کھل گیا اور دل کی آگ بجھانے کی گھڑی آپہونچی۔ چارپائی پر لیٹتے ہی گنگوہی صاحب نے **"مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا"** خوش نصیب ہو نگے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کے وہ مرید اور شاگرد جنھوں نے بھری محفل میں مشترکہ طور پر اپنے استاد و مرشد کے "اَمَر پَرِیم" (अमरप्रेम) کا منظر اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ قابل صد مبارک باد ہیں وہ طلبہ اور مریدین اور ساتھ میں رسوائے زمانہ کتاب **"مطالعۂ بریلویت"** کے مصنف پروفیسر خالد محمود صاحب مانچسٹری جنھیں ایسے دو (۲) پیشواؤں کی اتباع کا شرف حاصل ہے، جو ہم جنسی الفت و رغبت کی ایسی اعلیٰ منزل پر متمکّن تھے، جہاں پہونچ کر وہ اس حدیث شریف کے کامل مصداق اور مثل بن گئے کہ **"اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ"** یعنی **"جب تو بے حیا ہوگیا، تو جو چاہے کر"** اور واقعی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے وہ کر دکھایا، جس کو پڑھ کر بھی ایک غیرت مند اور مہذب شخص کا سر مارے شرم کے جھک جائے۔

گنگوہی صاحب نے چارپائی پر لیٹنے کے بعد نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ نانوتوی صاحب کے سینے پر رکھ دیا۔ ان کا ہاتھ رکھنا کچھ اس انداز کا تھا کہ جیسے ایک عاشق صادق اپنی معشوقہ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ایسی کوئی حرکت کرے جو باعث لذّت وتسکین قلب ہو۔ گنگوہی صاحب نے ایسا کیا کیا کیا؟ وہ تو چشم دید شاہد کی حیثیت سے ان کے مرید

اور شاگرد ہی جانیں، لیکن **"قیاس کُن زگلستانِ مَن بہارِ مَرا"** یعنی "میرے گلستاں سے میری بہار کا قیاس کر" والی مثل سے موجودہ حالت سے کنندہ حالت کا اندازہ ہوتا ہے کے مطابق گنگوہی صاحب نے ایسی کوئی حرکت کی ہو، ایسا امکان اور غالب گمان ہے۔ اسی لیے تو نانوتوی صاحب کے سینے (چھاتی) پر ہاتھ رکھنے کی گنگوہی صاحب کی حرکت کو تھانوی صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کہ **"جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے"**۔

گنگوہی صاحب اپنا ہاتھ نانوتوی صاحب کے سینے پر رکھنے کے بعد خاموش اور بے حرکت نہیں پڑے رہے بلکہ انھوں نے کچھ ایسی نازیبا اور بے حیائی کی حرکتیں شروع کردیں، جو باعث شرم وخجلت ہو۔ گنگوہی صاحب کی وہ شرم وحیا سے عاری حرکتیں ایک دو مرتبہ کی نہ تھیں بلکہ متعدد مرتبہ کی تھیں۔ کیونکہ بقول تھانوی صاحب **"مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کررہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے"** یعنی گنگوہی صاحب نے چارپائی پر لیٹنے کے بعد نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لے کر ایسی حرکتیں کرنی شروع کردیں کہ نانوتوی صاحب بھی مارے شرم کے پانی پانی ہوگئے اور گنگوہی صاحب کی عاشقانہ حرکتیں مسلسل جاری تھیں اور رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ لہذا نانوتوی صاحب عاجزی کرتے ہوئے **"ہر چند"** اپنے **"میاں"** کو سمجھاتے تھے اور روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے تھے کہ **"میاں کیا کررہے ہو"**۔ نانوتوی صاحب ہر چند یعنی بہتیرا فرماتے رہے کہ میاں کیا کررہے ہو؟ اپنے میاں کو جنون عشق کے جوش سے ہوش میں لانے کیلئے نانوتوی صاحب ہر مرتبہ ٹوکتے تھے کہ یہ کیا حرکت کرتے ہو؟ اور ہوش میں لانے کیلئے مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہتے تھے کہ **"یہ لوگ کیا کہیں گے"**

مگر گنگوہی صاحب نہ مانتے تھے اور نہ ہی رُکتے تھے۔ بڑی مشکل سے ایسا سنہرا موقع ہاتھ لگا تھا۔ بھاڑ میں جائے دنیا۔ ان لوگوں کا لحاظ کرکے ہاتھ لگی دولتِ عشق کے خزانے

سے ہاتھ روک لوں ایسا کم ظرف وکم حوصلہ تو میں نہیں۔ اُو میری نانوتوی بیگم! ان لوگوں کے کہنے کا خیال مت کرو۔ صرف میرا خیال کرو۔ میری کیا حالت ہے، وہ تو ذرا دیکھو۔ بقول شاعر:-

کب سے سلگ رہی ہے جوانی کی گرم رات
زلفیں بکھیر کر میرے پہلو میں آیئے

اس شعر کے مصرعۂ ثانی کو اس طرح بدل دو کہ:-

''داڑھی بکھیر کر میرے پہلو میں آیئے''

گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب کی ایک نہ سنی۔ بیچارے نانوتوی صاحب! ہر چند کہتے رہے کہ میاں! شرم کرو۔ ایسی حرکت سے باز آؤ۔ ہم دونوں کے مرید اور شاگرد موجود ہیں اور ہمارے عشق کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ذرا ان کا خیال اور لحاظ کرتے ہوئے ایسا ویسا مت کرو۔ خلوت میں کرنے کی حرکتیں جلوت میں مت کرو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے؟ مگر گنگوہی صاحب پر جوشِ جنونِ عشق کا ایسا بھوت سوار تھا کہ بے حیائی اور بے شرمی سے ڈھیٹ ہو کر فرمایا کہ **''لوگ کہیں گے، کہنے دو''**۔ گنگوہی صاحب کو اس کی قطعاً پرواہ نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اگر کچھ کہیں گے بھی تو بعد میں دیکھا جائیگا۔ اس وقت ان سب خطرات کا خیال کر کے مزہ کرکرا نہیں کرنا۔ اس وقت تو محبت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ڈوب جانے دو۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مذکورہ بالا خانقاہ گنگوہ کی حکایت کے ضمن میں مندرج ''حاشیۂ حکایت'' اور دیگر اہم نکات کی طرف اپنی توجہات مرکوز فرمائیں۔ جو اختصاراً حسب ذیل ہیں:-

⊙ تھانوی صاحب کی تالیف کردہ کتاب **''حکایات اولیاء''** جس کا پرانا نام **''ارواح ثلثہ''** ہے۔ اس کتاب میں تھانوی صاحب نے ان لوگوں کے حالات زندگی کے اہم واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جن کو وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے لوگ دینی پیشوا، ولی، بزرگ،

مقتدا، رہنما، ہادی اور معتبر و معتمد عالم دین مانتے ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی اور سوانح کی اشاعت کا اصل مقصد یہی ہے کہ ان کے حالاتِ زندگی پڑھ کر لوگ نصیحت حاصل کریں، ان کے نقش قدم پر چلیں اور اپنی زندگی کو سنواریں۔ خانقاہ گنگوہ کا مذکورہ واقعہ پڑھ کر لوگ کیا نصیحت حاصل کریں گے؟ ان کے نقش قدم پر چل کر کیا فلاح اور ہدایت پائیں گے؟ اور خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں نانوتوی صاحب کے ساتھ گنگوہی صاحب کا ایک چارپائی پر لیٹنے والی عشقیہ داستان پڑھ کر لوگ کیا سبق حاصل کریں گے؟ اور کونسی فلاح اور ہدایت پائیں گے؟ بلکہ اس کے برعکس مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد ایسے فحش واقعہ کو پڑھ کر مزید جری ہوں گے اور یہ کہہ کر علانیہ طور پر ارتکاب ذُنوب میں مبتلا ہوں گے کہ جب مولوی لوگ ایسی حرکت، بھری محفل میں کر سکتے ہیں تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں جب دیندار اور مذہبی پیشوا کے منصب پر فائز حضرات ایسے فعل قبیح کو بلا جھجک کرتے ہوئے شرماتے نہیں، تو ہم تو پکّے دنیادار ٹھہرے۔

علاوہ ازیں اسلام دشمن طاقتیں اور میڈیا جو اسلام کی خوبیوں اور اچھائیوں پر بھی بے تکے اور بے جوڑ اعتراضات کر کے اسلامی تقدّس کو داغدار کرنے کی سعی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے، اگر ان کے ہاتھوں خانقاہ گنگوہ میں علانیہ طور پر کی گئی فحش حرکت آ گئی، تو وہ اسلام دشمن افراد اس میں مرچ مسالا ملا کر عالمی پیمانے پر تشہیر کر کے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام و ذلیل کرنے میں کسی قسم کی کوئی کمی باقی نہیں رکھیں گے بلکہ ہم جنسی تعلقات (Homosexual) کے دلدادہ تو اس واقعہ کو بطور سند پیش کریں گے کہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا بھی ہماری طرح ہم جنس پرستی کے شوقین تھے۔

⊙ کیا خانقاہ گنگوہی کا واقعہ اس قابل ہے کہ اسے مذہبی کتاب میں جگہ دی جائے اور اسے شائع کیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن برا ہو شخصیت پرستی اور اندھی عقیدت کا کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے بے خرد مصنفین نے ایسا فحش اور حیاسوز واقعہ لکھ مارا اور بے عقل ناشرین نے اسے

چھاپ کر مشتہر کر دیا۔ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے خلوت میں کرنے کا کام جلوت میں کر ڈالا اور ان کے بیوقوف متبعین نے اسے چُھپانے کے بجائے چھاپ دیا۔

⊙ حیرت تو اس بات پر ہے کہ خانقاہ گنگوہ کا فحش حادثہ صرف چھاپ کر ہی پیچھے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ ایسی فحش حرکت کو اپنے پیشوا کی خوبی اور کمال میں کھپانے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے حکایت نمبر (۳۰۵) لکھنے کے بعد **"حاشیۂ حکایت (۳۰۵)"** لکھ کر اپنے دل پھینک عاشق پیشواؤں کے کمال کے گیت گاتے ہوئے بے سُرے اور بے ڈھنگے راگ الاپے ہیں۔ حاشیۂ حکایت میں لکھا ہے کہ **"اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی"** اس جملہ کو وضاحت سے سمجھیں۔ **خودداری** کے معنی لغت میں ❍ رکھ رکھاؤ یعنی تکلف، خاطر داری ❍ غیرت ❍ عزت (فیروز اللغات، ص: ۵۹۹) وارد ہیں یعنی اس جملہ کے ذریعہ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کی غیرت و عزت اور خاطر داری کا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے کہ ہمارے یہ دونوں پیشوا ایسی عظیم عزت اور غیرت والے تھے کہ انھوں نے بھری محفل میں اپنی غیرت اور عزت کا جنازہ نکال کر ایک ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ اس کی کوئی **"نظیر"** یعنی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ واہ! کیا بے شرمی ہے!!! خانقاہ گنگوہ میں عاشق و معشوق کا رول ادا کرتے ہوئے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب بھری محفل میں ایک چارپائی پر لیٹے۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی موجودگی میں ایک چارپائی پر گنگوہی صاحب کے ساتھ لیٹنا اور گنگوہی صاحب کا **"عاشق صادق"** کی طرح برتنا، ایسا گھناؤنا اور قبیح کام تھا کہ خود نانوتوی صاحب بھی شرماتے تھے اور اپنے **"میاں"** گنگوہی صاحب کو روکنے کی کوشش کرتے تھے اور شاگرد و مرید کی موجودگی کا احساس دلا کر کنٹرول (Control) کرنے کی سعی تمام کرتے تھے۔ مگر گنگوہی صاحب جنونِ عشق کے جوش میں ایسے بیخود تھے بلکہ ایسے بے غیرت و بے شرم بن گئے تھے کہ حاضرین مجلس کی موجودگی کو بھی خاطر میں نہ لائے اور جو کچھ کرنے کا عزم و ارادہ

اپنے چنچل من میں ٹھان رکھا تھا، اُس سے باز نہ آئے۔ المختصر! گنگوہی صاحب نے **حیا آنکھوں سے دھو ڈال کر** بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور بے لحاظی کا ایسا فاش مظاہرہ کیا کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ایسی بے حیائی کے ارتکاب سے اُن کی عزت میں اضافہ نہیں ہوا **بلکہ عزت کا دیوالہ نکل گیا۔** لیکن افسوس کہ دیوبندی پیشواؤں کے چھچے چمچا گیری کا حق ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ عزت و آبرو کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔

⊙ اپنے بے شرم پیشواؤں کے بے شرمی پر مشتمل ارتکاب پر نادم اور خجلت زدہ ہونے کے بجائے فخر کیا جا رہا ہے۔ صرف فخر کر کے جی نہیں بھرا، تو اُن لوگوں کی توبیخ اور ملامت کی جا رہی ہے، جو واقعی میں غیرت مند، نیک خصلت اور مہذب ہیں۔ ذرا عبارت کے تیور ملاحظہ فرمائیں۔ **"کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں۔ ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے"** یعنی خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے ایک چارپائی پر لیٹ کر جو کر دکھایا ہے، ایسا کارنامہ انجام دینا اور کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف ہمارے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کا ہی حوصلہ اور بے باک جگر تھا، جو کھلّم کھلاّ پریم کا ناٹک رچایا۔

عبارت میں غیرت مند، باحیا، باشرم، مہذب، نیک خصلت و طینت، پارسا، متقی، پرہیزگار اور صالح لوگوں کو **"اہل تصنع"** یعنی بناوٹ کرنے والے، مکر و فریب کرنے والے، دکھاوا کرنے والے، نیک اور متقی ہونے کا ڈھونگ رچانے والے کہا گیا ہے۔ یعنی ہمارے دو عظیم پیشواؤں نے خانقاہ میں بھری محفل میں بے خوف و خطر جو کچھ کر دکھایا ہے، ایسا اہل تصنع نہیں کر سکتے۔ **"ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے"** واقعی سچ ہے۔ عزت و آبرو والا شخص ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ بے شرمی کا کام کر کے عزت کو خاک میں ملانا، اس سے بہتر مر جانا ہے۔ جب عزت گئی تو زندگی کی لذت ہی گئی۔ باغیرت باحیا گروہ کو طعنہ دیا جا رہا ہے کہ اے عزت و آبرو کے متوالو! تم نے عزت اور غیرت کا لبادہ اُوڑھ

رکھا ہے اور آبرودار بن کر سماج میں گھوم رہے ہو۔ لیکن تم عشق میں فنا ہونے کی سعادت سے یکسر محروم ہو۔ تم نے غیرت اور لحاظ کا ڈھونگ اور دکھاوا کر رکھا ہے۔ تم مُروّت اور اخلاق کے دائرے میں مقیّد ہو کر عابد خشک ہو کر رہ گئے ہو۔ عشق کیا ہے؟ اور عشق میں فنا ہونا کیا ہے؟ اس سے تم یک لخت غافل اور انجان ہو۔ ایک عاشق صادق کے جذباتِ دل اور عشق میں فنا ہو جانے کا ولولہ تمہیں نصیب ہی نہیں ہوا۔ عشق کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غوطہ زنی کا حوصلہ ہی تم میں مفقود ہے۔ تم کیا جانو عشق کے امنڈتے ہوئے طوفان کی طغیانی کیا ہوتی ہے؟ اگر تمہیں اس امنڈتے ہوئے سیلاب کی دھار میں پھینک دیا جائے تو تم ہرگز تیر نہ سکو بلکہ پانی کی چادر میں اوجھل ہو کر ڈوب جاؤ۔ دریائے عشق میں تیراکی کے فن سے تم ناواقف ہو۔ اس فن کے ماہرین تو ہمارے پیشوا گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب تھے۔ جنھوں نے غیرت اور آبرو کے کپڑے اُتار ڈالے اور عشق محبوب اور وہ بھی ہم جنس محبوب کے عشق نازیبا کے طوفانی سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ شاگرد اور مرید سے بھری ہوئی مجلس کا لحاظ تک نہ کیا اور عشق میں فنا ہونا کیا ہے؟ اس کی مثال قائم کر دی۔

⊙ بے حیائی اور بے شرمی پر مشتمل حکایت بیان کرنے کے بعد اس حکایت میں اہم کردار ادا کرنے والے خاص اداکار (Main Hero) گنگوہی صاحب کی فحش اداکاری کو داد دیتے ہوئے اور گنگوہی صاحب کی ایکٹینگ کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ **"مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا"** یعنی گنگوہی صاحب اپنے معشوق نانوتوی صاحب کے عشق میں ایسے اور اس قدر فنا تھے کہ ان کا **"رنگ فنا"** ایسا گاڑھا اور پکا تھا کہ خجلت یعنی شرم وندامت پر غالب ہو گیا تھا۔ نانوتوی صاحب کے عشق میں وہ ایسے فنا تھے کہ شاگرد و مرید سے بھری محفل میں بھی انھیں ذرّہ بھر شرم وغیرت لاحق نہ ہوئی۔ خجلت یعنی شرم وندامت کو **"خیر باد کہہ کر"** نانوتوی صاحب کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹ گئے، نانوتوی صاحب کی طرف

کروٹ لی اور ایک عاشق صادق بلکہ ہجر و مفارقت کی آگ میں جُھلستا عاشق اپنے جسم وجگر کی پیاس بجھانے اور دل مضطرب کو تسکین دینے کیلئے لقائے معشوق کے وقت جذباتی اور مشتعل ہو کر از خود وارفتگی کے عالم میں جو حرکت کرتا ہے۔ اس کا نمونہ پیش کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کی جذباتی کیفیت کی طغیانی دیکھ کر نانوتوی صاحب تلملا اُٹھے اور ایسا خوف محسوس کیا کہ اب یہ آہستہ آہستہ آگے بڑھیں گے۔ ہائے اللہ! میں تو مر ہی جاؤں! اگر میرے **"میاں"** آگے بڑھے اور حد سے تجاوز کر گئے، تو قیامت تک میں اور میرے مرید وشاگرد کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔ بلکہ اس وقت اپنے مرید وشاگرد کے سامنے میری یہ حالت ہوگی کہ **"زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں"** لہٰذا نانوتوی صاحب نے اپنے **"میاں"** گنگوہی صاحب سے جوش جوانی کا ولولہ ٹھنڈا کر کے حیا اور تہذیب کے ہوش میں آنے کیلئے یوں کہا کہ **"میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے"** لیکن مرید وشاگرد کے گروہ کی موجودگی سے شرم محسوس کرنا اور بھری محفل کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے جوش جوانی کے طوفان کو سرد اور معتدل کرنا گنگوہی صاحب جیسے عاشق صادق کے **"رنگ فنا"** کی شان کے خلاف تھا۔ کیا میں ایسا ڈرپوک اور بزدل ہوں؟ جو ماحول کا لحاظ کر کے **"غیرت سے کٹ جاؤں"** اور ہاتھ آئی ہوئی سنہری گھڑی کو گنواں دوں؟ ارے شرم وغیرت کی تو ایسی ویسی۔ ہم تو اپنی من مانی کر کے ہی دم لیں گے۔ چاہے لوگ دیکھ رہے ہوں۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ **"ننگا سب سے چنگا"** والی مثل کے ہم مصداق ہیں۔ ہمیں کسی کا لحاظ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ آج تو شاگردوں اور مریدوں کو بھی ہمارے عشق کا تماشا دیکھنے دو۔ آج انھیں عشق میں فنا ہونے کا درس عملی طور پر (Practically) سکھا دیں تاکہ وہ کبھی نہ بھولیں اور ہمیشہ یاد رکھیں۔ اپنے پیر اور استاد کا عملی طور پر سکھایا ہوا **"فنائے عشق"** کا سبق مستقبل میں مشعل راہ بن کر رہنمائی کریگا۔ ان پر بھی کبھی یہ دن آنے والے ہیں۔ لہٰذا تب وہ اپنے پیر و استاد کے نقشِ قدم پر چل

کر کامیابی اور کامرانی کی منزل تک بآسانی پہونچ جائیں گے۔

⊙ آخر میں ایک ایسا خطرناک جملہ لکھا ہے کہ **"اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کردیا"** یعنی مولوی قاسم نانوتوی کا ایک وصف وکمال بیان کیا جارہا ہے کہ انھوں نے خجلت یعنی شرم وحیا پر فنا کا رنگ مجاہدہ کر کے غالب کر دیا۔ اس حکایت نمبر (۳۰۵) کا جو حاشیہ لکھا گیا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب دونوں کے اندر عشق میں فنا ہونے کا وصف اور حوصلہ تھا۔ لیکن ان دونوں کے اس وصف میں ایک فرق ہے۔ فرق کیا ہے؟ اس کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے حاشیۂ حکایت نمبر (۳۰۵) کے جملوں کو بغور ملاحظہ فرمائیں:-

✪ گنگوہی صاحب کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا"

✪ نانوتوی صاحب کا وصف وکمال یوں بیان کیا ہے کہ:-

"مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کردیا"

یعنی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب دونوں میں عشق میں فنا ہو کر شرم وحیا (خجلت) پر غلبہ حاصل کر لینے کی خوبی تھی۔ یعنی وہ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں ایسے فنا تھے کہ عشق ومحبت کے آداب اور قواعد وطریقے کی بجا آوری میں بالکل نہیں شرماتے تھے۔ یعنی ایسے بے حیا اور بے شرم تھے کہ شاگردوں اور مریدوں کی موجودگی میں دونوں ایک چارپائی پر ساتھ لیٹ گئے اور عاشق ومعشوق کا ڈرامہ کر دکھایا۔ لیکن پھر بھی ان دونوں کی بے شرمی اور بے حیائی میں عظیم فرق تھا۔ گنگوہی صاحب میں **"رنگ فنا خجلت پر غالب تھا"** یعنی گنگوہی صاحب کی تو پہلے ہی سے بے شرمی وبے حیائی کی خصلت تھی۔ ان کی طبیعت وعادت ہی تھی کہ وہ دل پھینک عاشق کی طرح کسی پر فریفتگی کے معاملے میں ڈرتے اور شرماتے نہیں

تھے۔ عشق میں ایسے فنا ہو جاتے تھے کہ شرم وحیا کو پاس آنے ہی نہ دیتے تھے اور **"شرم والے کے پھوٹے کرم"** والی مثل پر عمل کر کے اپنے ارمانِ دل کو پورا کرنے میں کسی کا لحاظ اور جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان میں فنا کا رنگ پہلے ہی سے موجود تھا اور وہ رنگ ایسا پختہ تھا کہ فوراً خجلت پر غالب آجاتا تھا۔ کسی پر فنا یعنی وارفتہ ہو جانے کا رنگ ان کی عادت میں تھا۔ شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر وارفتگی اور فریفتگی کا مظاہرہ بے خوف وخطر کرتے تھے۔ یہ ان کی عادت اور فطرت تھی۔

لیکن!!!

⊙ نانوتوی صاحب عادۃً شرمیلے تھے۔ لیکن ان کو بھی شرم وحیا کا دامن چاک کرنا پڑا۔ طالب علمی کے زمانے کی یعنی بچپن کی محبت کو دل سے بھلا دینا آسان نہیں۔ بوڑھے ہو گئے تو کیا ہوا ؟ سینے میں مستور دل تو **"ابھی تو میں جوان ہوں"** کی صدا بلند کر رہا ہے۔ ماضی میں ساتھ بسر کیے ہوئے دنوں کی یاد سے تو **"دل ڈانواں ڈول ہوتا ہے"**۔ لیکن ہائے! مجبوری۔ میں دیوبندی جماعت کا مقتدا اور پیشوا ہوں۔ سینکڑوں کی تعداد میں شاگرد اور مرید ہیں۔ استاد وپیر کے منصب پر فائز ہوں۔ سماج اور معاشرہ کا لحاظ اجازت نہیں دیتا کہ اپنے عاشق صادق کا ساتھ نبھاتے ہوئے کھلم کھلا اور علانیہ طور پر پریم کا کھیل کھیلوں۔ میں آداب تہذیب اور **"فنا در عشق"** کے درمیان بری طرح پھنس گیا ہوں۔ محبوب کے جذباتِ دل کا پاس رکھوں تو تہذیب واخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہے اور اگر شرم وحیا کا پتلا بنوں تو محبوب کا قلب پاش پاش ہوتا ہے۔ کس کو اہمیت اور ترجیح دوں ؟ حالانکہ خود میرا دل بھی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا خواہش مند ہے۔ آج کل کی تازہ محبت تو ہے نہیں کہ التفات نہ کیا جائے بلکہ بہت پرانی اور اٹوٹ محبت ہے۔ مگر میں بھی عادت سے مجبور ہوں۔ شرمانا میری عادت اور خصلت ہے۔ عشق میں فنائیت کا رنگ پیدا کر کے عشق کا رنگ جمانے میں میری شرمیلی عادت مانع ہے۔ کیا کروں؟

ہاں ہاں! وہی کروں جو میرا محبوب چاہتا ہے۔ انجام چاہے کچھ بھی ہو، مجھے وہی کرنا ہے جو **"میاں"** چاہتے ہیں۔ میاں نے حکم دیا ہے کہ میں شاگرد اور مرید سے بھری ہوئی محفل میں چارپائی پر لیٹ جاؤں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ شرم وحیا کی زنجیروں نے پاؤں جکڑ رکھے ہیں۔ غیرت اور لحاظ نے دامن پکڑ کر کھینچ رکھا ہے۔ محبوب کے حکم کی نہ تعمیل ہو سکتی ہے اور نہ ہی تامّل۔ البتہ محبوب کا حق یہی ہے کہ اس کے حکم کی بجا آوری کر کے اُسے شاد و خُرّم کروں۔ چاہے مجھے بدلنا ہی پڑے۔ میری خُو کو تبدیل کرنا پڑے۔ اور واقعی نانوتوی صاحب نے وہ کر دکھایا۔ بقول تھانوی صاحب۔

"مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کر دیا"

یعنی نانوتوی صاحب نے اپنے کو گنگوہی صاحب کا **"ہم رنگ"** بنانے کیلئے **"مجاہدہ"** کیا۔ اب ہم مجاہدہ کے لغوی معنی دیکھیں اور مجاہدہ کیا ہے؟ اس پر بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کریں۔ **"مجاہدہ"** کے لغوی معنی ⊙ جدوجہد ⊙ جاں فشانی ⊙ نفس کُشی یعنی خواہش کو مارنا ⊙ ریاضت وغیرہ (حوالہ: فیروز اللغات، ص: ۱۲۰۵)۔ نفس کُشی یعنی نفس کو مارنے کیلئے اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے بڑے بڑے مجاہدے کیے ہیں۔ تصوّف میں مجاہدے کی بڑی ہی اہمیت ہے۔ راہِ تصوّف میں قدم رکھنے والے کو سب سے پہلے نفس کشی اور خواہشات پر قابو رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے اور اسی سے تعلق رکھنے والے عملیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً قلّت طعام و منام یعنی کم کھانا، اور کم سونا، مسلسل روزے رکھنا، شب بھر بیدار رہ کر عبادت و ریاضت کرنا، بالکل سادہ کھانا کھانا، پھٹے پُرانے کپڑے پہننا، امیرانہ وضع قطع ترک کر کے فقیرانہ شکل وصورت اختیار کرنا، سختی کے ساتھ شریعت مطہرہ کی پابندی کرنا وغیرہ۔ علاوہ ازیں ہمہ وقت ذکر و اشغال میں منہمک رہنا۔ المختصر! دنیا کے عیش و عشرت اور لذّات سے منہ موڑ کر **"توجہ الی اللہ"** میں کامل طور پر راغب ہونا اور جسمانی خواہشات کو مار ڈال کر تقوٰی اور پرہیزگاری کا اُسوَۂ حسنہ بننا، اسی کو عام اصطلاح میں مجاہدہ کہا جاتا ہے۔ المختصر! مجاہدہ کرنے

سے پارسائی، زہد، تقویٰ، پرہیزگاری، پاکی، خدا کا خوف، شریعت کی پابندی اور گناہوں سے اجتناب کرنے کا وصف اور کمال حاصل ہوتا ہے۔

لیکن! نانوتوی صاحب نے مجاہدہ میں **اُلٹی گنگا بہانا اور اُلٹی مالا پھیرنا** والی مثل پر عمل پیرا ہونا اختیار کیا اور تقویٰ و پرہیزگاری کے رنگ میں رنگ جانے کے بجائے اپنے عاشق اور میاں گنگوہی صاحب کے ہم رنگ بن گئے۔ یعنی بقول تھانوی صاحب **"مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کر دیا"** یعنی شاگرد و مرید سے بھری مجلس میں گنگوہی صاحب کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹ کر شرم وحیا کو الوداع کہہ کر بے شرمی کا مظاہرہ کرنا اُن کی عادت میں نہ تھا۔ وہ تو شرمیلے تھے مگر انھوں نے ایسا مجاہدہ (Struggle) کیا کہ شرم وحیا کو مار ڈالا۔ خجلت کو چوراہے پر دفن کر دیا اور فنا کا وصف اپنے اندر پیدا کر دیا، یہ ان کا کمال تھا۔ ایسا ہُنر اور ایسی لیاقت ہر کس و ناکس کو میسّر نہیں۔ یہ تو صرف نانوتوی صاحب ہی کا کمال تھا کہ ایسا مجاہدہ فرمایا کہ شرم وحیا کو رخصت کر دیا اور گنگوہی صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں اپنے عاشق و محبّ کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹ گئے اور اپنے شاگردوں اور مریدوں کو ایک انوکھا درس دیا کہ محبت کرنے والے کبھی کسی سے ڈرتے نہیں۔

مطالعۂ بریلویت نامی رسوائے زمانہ کتاب کے مصنف جناب پروفیسر خالد محمود مانچسٹری صاحب بھی خانقاہ گنگوہ کی داستانِ عشق پڑھ کر لطف اندوز ضرور ہوئے ہوں گے۔ مستقبل میں اگر **"مجاہدہ"** کے تعلق سے خامہ آرائی کرنے کا اتفاق ہو، تو نانوتوی صاحب کے خرق عادت اور خلاف دستور مجاہدہ پر ضرور کچھ لکھیں۔

◇ ◇ ◇ ◇ ◇ ◇ ◇

لڑکی نہیں بلکہ لڑکے سے عشق !!!

عوام الناس میں ایک کہاوت بہت ہی مشہور ہے کہ ''**دل لگا گدھی سے، تو پَری کیا چیز ہے۔**'' یہ کہاوت دور حاضر کے منافقین کے پیشواؤں اور ملاّؤں پر اگر چسپاں کی جائے تو کوئی مبالغہ نہیں۔ اوراق سابقہ میں قارئین کرام نے علمائے دیوبند کے اکابر علماء کے کردار کے پھوہڑپن کے تعلق سے کافی مطالعہ فرمایا۔ اکابر ہوں یا اصاغر ہوں، علمائے دیوبند کی جماعت میں اکثریت ایسے ملاّؤں کی پائی جاتی ہے، **جو دل سے دل اٹکانے اور ملانے کے معاملے میں فوراً دل کو پانی کر دیتے تھے۔** غیر جنسی فرد کی طرف رغبت اور رجحان ہونا، یہ ایک فطری بات ہے لیکن ہم جنس کے ساتھ جسمانی تعلق، پیار، عشق، رغبت، فریفتگی، ایسا غیر فطری امر ہے کہ مذہب وسماج نے اسے مذموم ومقبوح قرار دے کر اس کے مرتکب کی شدید توبیخ وتذلیل وتحقیر فرمائی ہے۔

لیکن دیوبندی مکتبۂ فکر کے پیشواؤں کے حالات زندگی، کرامات اور سوانح حیات پر مشتمل شائع شدہ کتب میں ایسی کئی حکایات مرقوم ہیں، جن کا تعلق ہم جنسی اور غیر فطری تعلقات سے ہے۔ قارئین کرام کی ضیافت طبع کی خاطر مولوی قاسم نانوتوی صاحب، بانی دارالعلوم دیوبند کے شاگرد رشید مولوی منصور علی صاحب مرادآبادی کا ایسا ایک غیر فطری کارنامہ خود ان کی زبانی سماعت فرمائیں۔ اس واقعہ کو وہابی، دیوبندی مکتبۂ فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے کتاب ''حکایات اولیاء'' میں نقل فرمایا ہے۔ حوالہ پیش خدمت ہے:۔

یہ حوالہ پانچ جگہ دستیاب ہے۔ یہاں ہم ''**ارواح ثلٰثہ**'' کتاب سے لفظ بلفظ حوالہ نقل کرتے ہیں:۔

حکایت: (۲۵۱) حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا منصور علی خاں صاحب مرحوم مرادآبادی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ طبیعت کے بہت پختہ تھے اس لیے جدھر طبیعت مائل ہوتی تھی پختگی اور انہماک کے ساتھ اُدھر جھکتے تھے۔ انہوں نے اپنا واقعہ خود بھی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا۔ اور اس قدر اس کی محبت نے طبیعت پر غلبہ پایا کہ رات دن اسی کے تصور میں گزرنے لگے میری عجیب حالت ہو گئی۔ تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا۔ حضرت کی فراست نے بھانپ لیا، لیکن سبحان اللہ تربیت ونگرانی اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود ہی اس محبت کا ذکر چھیڑا، فرمایا کہ ہاں بھائی وہ (لڑکا) تمہارے پاس کبھی آتے بھی ہیں یا نہیں، میں شرم وحجاب سے چپ رہا، تو فرمایا کہ نہیں بھائی یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں، اس میں چھپانے کی کیا بات ہے، غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرالیا اور کوئی

خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر کی۔ بلکہ دل جوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے، میں ایک دن تنگ آ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ وپے میں سرایت کر گئی، مجھے تمام اُمور سے بیکار کر دیا، کیا کروں؟ اور کہاں جاؤں؟ آخر عاجز آکر دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہنچا اور مؤدب عرض کیا کہ حضرت لِلّٰہ میری اعانت فرمایئے۔ میں تنگ آ گیا اور عاجز ہو چکا ہوں۔ ایسی دعا فرما دیجیے کہ اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے محو ہو جائے۔ تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے بس جوش ختم ہو گیا، میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا، نکما ہو گیا، اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا، خدا کے لیے میری مدد فرمایئے فرمایا بہت اچھا، بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود رہیں، میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا، جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی مولوی صاحب میں نے عرض کیا، حضرت حاضر ہوں، میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا، فرمایا کہ ہاتھ لاؤ، میں نے ہاتھ بڑھایا میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں، خدا کی قسم میں نے بالکل عیاناً دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں

اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا ہے گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا کہ ساری عمر مجھ پر یہ کپکپی اور یہ خوف طاری نہ ہوا تھا، میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور بالکل خودی سے گزر گیا اور حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں، جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو یہ حالت بھی فرو ہو گئی، فرمایا جاؤ، میں اٹھ کر چلا آیا۔ دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا کہ مولوی صاحب کیا حال ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس لڑکے کا تصور یا عشق تو کُجا ؟ دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں، فرمایا اللہ کا شکر کرو۔ والحمد اللہ علیٰ ذالک۔

حوالہ :

(۱) ''ارواح ثلٰثہ'' از: مولوی ظہور الحسن کسولوی۔ ناشر: کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارنپور۔ سن طباعت سنہ ۱۳۷۱ھ، حکایت نمبر: ۲۵۱، صفحہ نمبر: ۲۴۵

(۲) ''حکایات اولیاء'' از: مولوی اشرف علی تھانوی۔ ناشر: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔ حکایت نمبر: ۲۵۱، صفحہ نمبر: ۲۶۴

(۳) ''حکایات اولیاء'' از: مولوی اشرف علی تھانوی۔ ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند۔ حکایت نمبر: ۲۵۱، صفحہ نمبر: ۲۳۶

(۴) ''حکایات اولیاء'' از: مولوی اشرف علی تھانوی۔ ناشر: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔ سن طباعت سنہ ۲۰۱۳ھ، حکایت نمبر: ۱۹۸، صفحہ نمبر: ۱۹۶

(۵) ''سوانح قاسمی'' از: مناظر حسین گیلانی، ناشر:۔ دار العلوم دیوبند۔ جلد: ۱، صفحہ نمبر: ۳۲۶

وہابیوں کے قاسم العلوم والخیرات اور **دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی** کے تلمیذ یعنی شاگرد جو ایک مولوی تھے اور مولوی ہونے کے ناتے قوم کے رہبر اور ہادی کی حیثیت کے حامل تھے، ان کو عشق ہوا بھی، تو کسی لڑکی سے نہیں ہوا بلکہ لڑکے سے ہوا۔ اپنے استاد نانوتوی صاحب کے نقش قدم پر چل کر اپنی جوانی کے کرتوتِ فاسدہ کے نمایاں داغ اجاگر کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ خانقاہ گنگوہ میں اپنے استاد کو گنگوہی صاحب کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹنے کے حادثے کے وقت یہ بھی مریدوں اور شاگردوں کے جھرمٹ میں شامل ہوں اور اپنے استاد کو ہم جنسی محبت کے داؤ پیچ کے کرتب دکھاتے ہوئے دیکھ کر انہیں بھی شوق وترغیب پیدا ہوئی ہو اور اپنے استاد کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہم جنسی محبت کا اپنے اندر رنگ پیدا کر لیا ہو۔ خانقاہ گنگوہ میں مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں گنگوہی صاحب کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹ کر محبت کا کھیل کھیلنے والے اپنے بے شرم استاد کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے بڑی بے شرمی سے اعتراف کیا ہے کہ **"مجھے ایک لڑکے سے عشق ہوگیا"** واہ! مولوی صاحب واہ! عشق کرنے کے لیے لڑکا ہی ملا۔ عوام الناس میں ایک کہاوت بہت ہی مشہور ہے کہ **"دل لگا گدھی سے، تو پَری کیا چیز ہے۔"** مولوی منصور مرادآبادی اس لڑکے کے عشق کے دلدل میں ایسے غرق ہوئے کہ **"رات دن اس کے تصوّر میں گزرنے لگے۔"** یعنی ہر پل اور ہر گھڑی صرف اور صرف اس لڑکے کے خیال میں رہنے لگے۔ یعنی کیا؟ کیا خیال آتا تھا؟ ہر وقت اس لڑکے کے ساتھ کیا کیا کرنے کا خیال آتا تھا؟ ظاہر ہے کہ کوئی اچھا کام کرنے کا خیال تو آتا ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ خود مولوی منصور نے اقرار کیا ہے کہ **"میری عجیب حالت ہوگئی تمام کاموں میں اختلال ہوگیا۔"** تمام کاموں میں اختلال ہوگیا یعنی ہر کام میں خلل پڑ گیا۔ عشق کا مارا مُلّا لڑکے کے عشق میں دیوانہ ہوگیا۔ **"عجیب حالت ہوگئی"**۔

ہر کام میں خلل یعنی خرابی، فتور اور نقصان ہونے لگا۔ بس ہر وقت تصور میں وہ لڑکا ہی تھا۔ اور وہ لڑکا تصور میں کس نوعیت سے تھا؟ کیا مولوی منصور کو ہر وقت یہ خیال آتا ہوگا کہ میں اس لڑکے کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہوں یا تلاوت قرآن کر رہا ہوں؟ ایسا نیک خیال ہرگز نہیں آتا تھا بلکہ ایک عاشق اور معشوق کے درمیان جو جو حرکات وسکنات ہوتے ہیں اور عشق کی وصولِ منزل کے جو ارتکابات ہوتے ہیں، ایسے ہی قبیح، مذموم اور غیر پاکیزہ خیالات آتے ہوں گے۔

میرا چہیتا شاگرد ایک لڑکے کے عشق کے جال میں پھنس کر عجیب کیفیت کا شکار ہوگیا ہے۔ یہ حقیقت نانوتوی صاحب کو معلوم ہوگئی۔ بقول مولوی منصور **"حضرت کی فراست نے بھانپ لیا"** یعنی نانوتوی صاحب کی فراست یعنی دانائی اور قیافہ شناسی نے بھانپ لیا یعنی پہچان لیا، تاڑ لیا کہ میرا شاگرد کسی لڑکے کو دل دے بیٹھا ہے اور **Sodomy Grup** یعنی ہم جنسی تعلقات (لواطت) رکھنے والی جماعت کا رکن بن گیا ہے۔ لیکن نانوتوی صاحب نے اپنے ہونہار شاگرد کو ڈانٹا تک نہیں بلکہ شاگرد کیا گل کھلا رہا ہے، وہ معلوم کرنے کے لیے اب شاگرد کے ساتھ دوستانہ تعلق شروع کیا اور وہ بھی بے تکلفی کی حد تک تعلق بڑھایا۔ یہاں تک کہ دو دوست آپس میں جس طرح بے تکلف اپنے ذاتی معاملات کی گفتگو کرتے ہیں، اس طرح مولوی منصور مرادآبادی سے اس لڑکے کے تعلق سے گفتگو کی اور مولوی منصور سے نانوتوی صاحب نے ایک دوست کی حیثیت سے اس لڑکے کے ساتھ اپنے عشقیہ تعلقات کا اقرار کروالیا۔

ذرا سوچو! ایک استاد اپنے شاگرد کے کسی لڑکے کے ساتھ غیر جنسی تعلقات کے ضمن میں گفتگو کرتا ہے اور کسی قسم کی ناراضگی اور خفگی کا اظہار کرنے کے بجائے یہ کہتا

ہے کہ ”**یہ حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں، اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟**“ ہو سکتا ہے کہ مولوی منصور کے کسی لڑکے سے غیر جنسی تعلقات اور عشق کی حالت پر مطلع ہو کر نانوتوی صاحب ماضی کی یادوں میں کھو گئے ہوں اور انہیں اپنا محبوب گنگوہی یاد آ گیا ہو اور گنگوہی صاحب کے ساتھ گزارے ہوئے رنگین لمحات کی سنہری یاد نے ان کے دل میں گدگدی کر کے کُہنہ مشق تجربہ کار کی حیثیت سے مشورہ دینے پر ابھارا کہ اس میں چھپانے کی کیا بات ہے؟ ایسے حالات تو انسان ہی پر آتے ہیں۔ میں خود بھی اس حالت سے دوچار ہو چکا ہوں۔ لہذا نانوتوی صاحب نے اپنے شاگرد کو اس مذموم حرکت سے باز رہنے کا مشورہ تک نہیں دیا۔ حالانکہ ایک استاد کی حیثیت سے وہ مولوی منصور مرادآبادی کو ڈانٹ سکتے تھے۔ سرزنش اور تنبیہ کر کے اغلام بازی کی حرکتِ قبیحہ کی برائی بیان کر کے اور ان کے مرتکب کے لیے شرعی حکم اور عذاب و وعید سنا کر باز رہنے کا سختی کے ساتھ حکم دے سکتے تھے۔ ایسا نانوتوی صاحب نے کچھ بھی نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس بقول مولوی منصور ”**بلکہ دل جوئی فرمائی**“ دل جوئی کرنا یعنی **تسلّی دینا** یعنی دلاسا دینا۔ تسلّی اور دلاسا اس وقت دیا جاتا ہے، جب آدمی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی تاجر کو ایک غنڈے نے دھمکی دی کہ پانچ لاکھ بھیج دو، ورنہ تمہارے اکلوتے بیٹے کو قتل کر ڈالوں گا۔ وہ تاجر گھبرا گیا۔ سر پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اب کیا ہوگا؟ میں کیا کروں؟ وغیرہ سوالات اور الجھنوں میں پھنس گیا۔ اس کے دوست واحباب اور ہمدرد و رشتہ دار اس کے پاس آ کر تسلی دینے لگے کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس طرح اس تاجر کو تسلی اور دلاسا دے کر اس کی گھبراہٹ کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

بس اسی طرح نانوتوی صاحب مولوی منصور کو تسلی اور دلاسا دے رہے ہیں کہ ”**شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں**“ یہ کیفیت تو آدمی پر آتی ہی رہتی ہے۔ میں خود اس کیفیت میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں۔ چلا کرتا ہے، ہوتا رہتا ہے۔ دل کا معاملہ ہے اور دل بڑا چنچل ہوتا ہے۔ بتاؤ اس لڑکے کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟ اس کے ساتھ کیا کیا کرتے ہو؟ کب کب اور کتنا کتنا کرتے ہو؟ وغیرہ ساری باتیں ایک دوست کی حیثیت سے پوچھ لیں اور ”**کوئی خفگی اور ناراضگی نہیں ظاہر کی**“ خفگی اور ناراضگی کیوں ظاہر کریں؟ نانوتوی صاحب اپنے شاگرد مولوی منصور مرادآبادی کی زبانی ایک لڑکے کے ساتھ منائی جانے والی عشق کی رنگ رلیاں اور اغلام بازی کی داستان سن کر محظوظ ہوتے تھے۔ انہیں بڑا حظ آتا ہوگا۔ ماضی کی پس مردہ یادیں سرد ہو کر دل کے ایک کونے میں خوابیدہ پڑی ہوئی تھیں۔ مولوی منصور مرادآبادی کی اغلام بازی کی اشتعال انگیز داستانِ عشق نے ان کے دل کو بھی گرما دیا ہوگا اور وہ مردہ یادیں انگڑائی لے کر کھڑی ہوئی ہوں گی۔ لہذا انہوں نے اپنے شاگرد کو استاد ہونے کے ناتے ڈانٹا یا دھمکایا نہیں بلکہ ”**دل جوئی فرمائی**“

اپنے استاد مولوی نانوتوی کے ہونہار شاگرد ہونے کی حیثیت سے استاد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولوی منصور مرادآبادی نے اس لڑکے کے ساتھ ولولۂ عشق کا خوب جوش دکھایا اور جوش جنوں کی حد سے متجاوز ہو کر ایسے مقام پر پہونچے کہ ”**مجھے تمام امور سے بیکار کر دیا**“ کثرت فعل یعنی بہت کام (عشق کا) کرنے کے نتیجہ میں تھک گئے اور عاجز ہو گئے۔ اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کیسے چھٹکارا حاصل کروں؟ کس کے پاس جاؤں؟

ارے میاں کیوں گھبراتے ہو؟ دل نے صدا دی۔ اور کہیں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ استادِ محترم نانوتوی صاحب اس میدان عمل کے پرانے اور کہنہ مشق تجربہ کار ہیں۔ ان کی بارگاہ میں چلے جاؤ۔ یہ خیال آتے ہی مولوی منصور **''دوڑا ہوا حضرت کی خدمت میں پہونچا۔''** نانوتوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر مولوی منصور مرادآبادی نے باادب عرض کیا کہ **''حضرت اللہ کے واسطے میری مدد فرمائیں۔ میں تنگ آگیا ہوں اور عاجز ہو چکا ہوں۔''** بے چارہ! محبت کا مارا، عشق کے جوش کے سمندر میں لمبا فاصلہ تیر کر، تھک کر، ہار کر، عاجز ہو کر اپنے استاد سے یعنی **غیر اللہ سے مدد طلب کر رہا ہے۔**

نانوتوی صاحب اپنے تلمیذ رشید کی التجاء اور استغاثہ پر شاگرد کو نادم، پشیمان، خجل اور شرمندہ ہو کر بارگاہ الٰہی میں توبہ و استغفار کرنے کی تلقین اور نصیحت کرنے کے بجائے شاگرد کو چھیڑتے اور اکساتے ہوئے فرماتے ہیں کہ **''بس مولوی صاحب! کیا تھک گئے؟ بس جوش ختم ہو گیا؟''** یعنی نانوتوی صاحب کو معلوم تھا کہ شاگرد کیوں تھک گیا ہے۔ آدمی جب کوئی کام کرتا ہے، تو اسے تھکن لگتی ہے۔ لیکن اس کا جسم اس تھکن کو برداشت کر لیتا ہے اور تھکن کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن جب وہ حد سے زیادہ (Over Capecity) کام کرتا ہے، تب اس کا جسم تحمل اور برداشت نہیں کر سکتا اور وہ تھک جاتا ہے۔ المختصر! کام زیادہ کرنے کی وجہ سے آدمی تھکتا ہے۔ نانوتوی صاحب اپنے شاگرد سے پوچھتے ہیں کہ **''کیا تھک گئے؟''** یعنی کیوں تھک گئے؟ کون سا کام کر کے تھک گئے؟ یہ نانوتوی صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج کل مولوی صاحب کس کام میں مشغول اور منہمک ہیں۔ لڑکے کے عشق میں دیوانگی کی حد تک پہونچ چکے

ہیں۔ یہ کسی سے سنی سنائی بات نہیں بلکہ جو تھک گیا ہے، اسی نے اپنی زبانی اقرار و اعتراف کرتے ہوئے مجھے سب کچھ بتایا اور سنایا ہے۔ لہذا یقیناً اسی کام ہی کی تھکن ہے۔ اسی لیے ہی دوسرا سوال پوچھا کہ **''بس جوش ختم ہو گیا؟''**

نانوتوی صاحب کا جملہ **''بس جوش ختم ہو گیا؟''** میں لفظ **''جوش''** قابل توجہ ہے۔ لغت میں لفظ جوش ⊙ **اُبال** ⊙ **ولولہ** ⊙ **حرارت** ⊙ **مستی** ⊙ **طغیانی** ⊙ **شہوت** وغیرہ معنوں میں آتا ہے۔ (حوالہ:۔ **فیروز اللغات**، صفحہ:۴۸۴) نانوتوی صاحب کو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ میرا چیلا ایک لڑکے کے عشق کے پھندے میں پھنسا ہے۔ اور اس لڑکے کی محبت کے جوش میں نہ کرنے کا کام کر رہا ہے، مگر کب تک؟ ایک دن ضرور تھکنے والا ہے۔ جو زیادہ دوڑتا ہے، وہ جلدی تھکتا ہے۔ یہ گھوڑا میدانِ عشقِ اغلام کی ریس (Race) میں تیز رفتاری سے مسلسل دوڑتے دوڑتے اب تھک گیا۔ **''جوش ختم ہو گیا''** صرف ایک جملہ میں نانوتوی صاحب نے اپنے شاگرد سے اس کی کیفیت بند لفظوں میں پوچھ لی۔ مولوی منصور نے جواباً کہا کہ **''حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا، نکمّا ہو گیا''** بقول شاعر :۔

''عشق نے غالبؔ نکمّا کر دیا ۔ ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے''

عشق کا مارا مولوی منصور اب اُکتا گیا تھا، تھک گیا تھا اور ایسا تھک گیا تھا کہ سارے کاموں سے بیکار اور نکمّا ہو گیا تھا۔ **''سارے کاموں''** میں لڑکے سے عشق کا کام بھی آگیا۔ اب ریس (Race) کے میدان میں گھوڑا چل نہیں سکتا۔ بلکہ اب چلنے کے

قابل نہیں رہا۔ اتنا دوڑا ہے کہ اب چکنا چور ہو چکا ہے۔ عشق کا جام لبوں تک لینے کی بھی سکَت اب باقی نہیں اور یہ حالت اور نکمّا پن **"اب مجھ سے برداشت نہیں ہوسکتا"** اپنی ناقابل برداشت حالت اور کیفیت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مولوی منصور مرادآبادی نے اپنے نانوتوی استاد سے مدد طلب کرتے ہوئے استغاثہ کیا کہ **"خدا کے لیے میری مدد فرمایئے"** یہاں قارئین کرام کی توجہ ملتفت کرنا چاہتا ہوں کہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مدد طلب کرنے پر شرک کا فتویٰ داغنے والے دیوبندی جماعت کے پیشوا سے ایک اُن کا ہی دیوبندی مولوی مدد طلب کر رہا ہے۔ یہاں شرک کا حکم نہیں لگایا جارہا ہے۔ کیوں؟ آپ خود فیصلہ فرمالیں۔ خیر!

مولوی منصور نے نانوتوی صاحب سے کیا مدد مانگی؟ ایسی کونسی مصیبت میں وہ گرفتار تھے؟ اور وہ مصیبت سے کیسا چھٹکارا چاہتے تھے؟ خود مولوی منصور کی زبانی سنیے۔ **"اس لڑکے کا خیال تک میرے قلب سے ختم ہو جائے، مٹ جائے۔"** لڑکے کا عشق ملّا جی کے لیے وبال جان بن گیا تھا۔ **"جینے بھی نہ دے، مرنے بھی نہ دے"** جیسی ان کی حالت ہوگئی تھی۔ ہر کام سے بیکار اور نکمّا ہوجانے کے باوجود لڑکا دل میں سمایا ہوا تھا۔ ہر وقت اس کی یاد ستاتی تھی۔ لہٰذا اس کا صرف ایک ہی علاج ہے اور وہ یہ ہے کہ اب دل سے لڑکے کو ہی بھگا دوں۔ **"نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری"** اور یہ علاج میرے استاد نانوتوی صاحب ہی کرسکتے ہیں۔

نانوتوی صاحب نے اپنے اغلام باز شاگرد کو حالت بیداری میں عرش اور دربار الٰہی میں پہونچادیا

شاگرد کی خستہ حالی پر ترس کھا کر نانوتوی صاحب **"مرضِ عشق"** کا علاج کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے اور مغرب کی نماز کے بعد **محلّہ چھتّہ** کی مسجد میں موجود رہنے کا حکم صادر فرمایا۔ مریضِ عشقِ طفل دیوبندی ملّا اپنے استاد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نماز مغرب کے بعد محلّہ چھتّہ کی مسجد پہونچ گیا۔ اب نانوتوی صاحب اپنے اغلام باز شاگرد کی اغلام بازی کی مہلک اور قبیح بیماری کا علاج شروع کرتے ہیں اور اپنی **"شاندار کرامت"** کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ جسے پڑھ کر ہنسی بھی آئیگی اور ساتھ میں قلبی نفرت اور بیزاری کا بھی احساس ہوگا۔ اور یقین کے درجہ میں اس حقیقت کا ثبوت بھی مل جائیگا کہ وہابی، دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ انبیائے کرام اور بزرگان دین کو ایک عوامی سطح کا معمولی انسان کہتے، لکھتے اور مانتے ہیں لیکن جب اپنے پیشواؤں کا معاملہ آتا ہے، تب انتہا درجہ کا غلو اور مبالغہ کرتے ہیں اور انہیں انسانیت سے بالاتر اور فرشتۂ مقرّب تک کہتے ہوئے بھی جھجھک محسوس نہیں کرتے۔ آیئے! نانوتوی صاحب نے اپنے اغلام باز شاگرد کا علاج کس طرح کیا؟ وہ دیکھیں۔

مولوی منصور نے کہا کہ **"میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ ہاتھ لاؤ۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی**

سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جاتے ہیں۔" علاج کا یہ طریقہ بیان کرکے نانوتوی صاحب کی عظمت اور رفعت اور معرکۃ الآراء کرامت بیان کی جارہی ہے۔ مرض کہاں تھا؟ جواب صاف ہے کہ دل میں تھا۔ دل لڑکے کے عشق میں ناسور بن گیا تھا۔ ہر وقت اور ہر جگہ وہ بس وہ لڑکا ہی نظر آتا تھا۔ لڑکے کے تصوّر میں دیوبندی ملّا ہمہ وقت اور ہمہ تن مستغرق رہتا تھا۔ تمام کاموں سے بیکار اور نکمّا ہوگیا تھا۔ دل کے ناجائز جذبات بے لگام ہوکر بے قابو ہوگئے تھے۔ ایسے بیمار دل کو درست کرنے کے لیے **قرآن مجید** کی کوئی آیت یا **حدیث شریف** میں وارد کوئی دعا پڑھ کر دم نہیں کیا جا رہا۔ اگر ایسا کرتے تو اس میں نانوتوی صاحب کی کوئی اہمیت ظاہر نہ ہوتی۔ یہی کہا جاتا کہ **قرآن** کی آیت یا **حدیث** کی دعا کی برکت سے دل کے گندے خیالات اور شیطانی وسوسے دور ہوگئے۔ **اللہ تبارک و تعالیٰ** کے مقدس کلام کا فیض حاصل ہوا۔ لیکن یہاں تو نانوتوی صاحب کی عظمت کے **بے ڈھنگے راگ الاپنا** ہے۔ لہذا ایسا کوئی تذکرہ نہیں کہ نانوتوی صاحب نے کچھ پڑھ کر مولوی منصور کے دل پر دم کیا یا کسی قسم کا جھاڑ پھونک کا عمل کیا۔ اگر ایسا کیا ہوتا تو اس میں نانوتوی صاحب کو سو فیصدی اہمیت (100%Credit) نہ ملتی۔ لہذا نانوتوی صاحب نے مرض کا علاج کرنے میں جو انوکھا اور بے ڈھنگا طریقہ اپنایا، اس کو بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح رسّی بناتے وقت دو ہتھیلیوں کے درمیان بان یعنی رسی کے ریشوں کو رگڑا جاتا ہے، اسی طرح نانوتوی صاحب نے اپنی اور مولوی منصور کی دو ۲ ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑا اور ایک کرشمہ (چمتکار۔ चमत्कार) ہوگیا۔ قارئین کرام! دل پر ہاتھ رکھ لو۔ کہیں دل کی دھڑکنیں تیز نہ ہوجائیں اور نانوتوی صاحب نے جو کرشمہ دکھایا، وہ دیکھو۔

بقول مولوی منصور مرادآبادی **"خدا کی قسم! میں نے صاف طور سے دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کرلیا ہے۔ گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔"** واہ! کیا بات ہے! کیا شان ہے! مولوی منصور نے نانوتوی صاحب کا جو کرشمہ بیان کیا ہے، وہ کوئی وہم یا گمان نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اسی لیے تو جملہ کی ابتداء میں **"خدا کی قسم"** کہا۔ یعنی میں جو کہہ رہا ہوں حقیقت ہے۔ جھوٹ نہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ خدا کی قسم میری بات حقیقت پر مبنی ہے۔ کذب اور دروغ گوئی کا اس میں شائبہ نہیں کہ **"میں نے صاف طور سے دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں"** یعنی یہ دیکھنا کوئی حالت نیند میں نہ تھا۔ کوئی خواب نہ تھا کہ خواب میں دُھندلا نظر آرہا تھا۔ بلکہ حالت بیداری میں ہوش وحواس کے ساتھ دیکھ رکھا تھا۔ بیہوش نہیں تھا۔ عالم غنودگی میں نہیں تھا۔ تخیّل وتصوّر میں شک وشبہ اور قیاس کا معاملہ نہیں تھا بلکہ جاگتے میں کامل اور سالم قوۃ باصرہ کے ساتھ اپنے ماتھے کی آنکھوں سے عینی مشاہدہ کیا کہ **"میں عرش کے نیچے ہوں"** یعنی نانوتوی صاحب کا اغلام باز شاگرد نانوتوی صاحب کی ہتھیلی کی رگڑ کے طفیل عرش تک پہونچ گیا۔ (معاذ اللہ)

قارئین کرام! بنظر انصاف دیکھیں کہ نانوتوی صاحب کا **"تصرّف"** اور کرامت بیان کرکے نانوتوی صاحب کی عظمت کا سکّہ بٹھانے کے لیے کیسی خطرناک بات کہی جارہی ہے۔ **"عرش"** یعنی "عرش الٰہی" عرش اعظم کہاں ہے اور عرش اعظم تک کتنی مسافت ہے؟ اس کی تفصیل اور طویل گفتگو نہ کرتے ہوئے، بہت ہی اختصاراً واقعۂ معراج کے تعلق سے کچھ اقتباسات کتب معتبرہ ومستندہ کے حوالوں سے درج کرتے ہیں:۔

- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق پر سوار کر کے حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام بیت المقدس لائے۔ وہاں آپ نے تمام انبیائے کرام کی امامت فرمائی۔
- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز مکّہ معظّمہ میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر پڑھی اور وہیں سو گئے۔

(حوالہ:۔"خصائص کبریٰ"، از:۔امام جلال الدین سیوطی، اردو ترجمہ، **جلد ا، صفحہ: ۳۴۰**)

- امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیثِ معراج روایت کی ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ بیت المقدس میں نماز ادا فرمانے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جبرئیل کے ساتھ پہلے آسمان پر گئے۔ وہاں حضرت آدم سے، دوسرے آسمان پر حضرت عیسٰی اور حضرت یحیٰ سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس سے، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم سے ملاقات کی (علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام) انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد ا، ص ۳۱۷)
- اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "**سدرۃ المنتہیٰ**" کی جانب لے جایا گیا۔ جہاں فرشتے ٹھہرتے ہیں۔ اس کے آگے بڑھنے اور وہاں سے تجاوز کرنے کی کسی میں تاب نہیں۔ اس سے آگے بجز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کسی مخلوق نے تجاوز نہیں کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس جگہ رُک گئے اور حضور سے جدا ہو گئے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور جدا ہونے کا کون سا مقام ہے؟ یہ جگہ تو ایسی نہیں کہ دوست کو چھوڑ کر دوست جدا ہو جائے۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا کہ:

اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

یعنی اگر ایک بال کے برابر بھی آگے بڑھوں تو نور کی تجلّی سے میرے پَر جل جائیں گے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ا، ص ۲۹۹)

الغرض حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہاں سے اکیلے آگے تشریف لے گئے۔

- حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے، تو آپ بیت المعمور پہنچے۔ آپ کے لیے بیت المعمور کا پردہ اٹھایا گیا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کے الفاظ یہ ہیں کہ "ثُمَّ رُفِعَ اِلَی الْبَیْتُ الْمَعْمُوْرُ" یعنی میرے لیے بیت المعمور نمودار ہوا۔ اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور کے درمیان بہت سے عالم تھے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان پردوں کو اٹھایا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بصیرت میں لایا گیا اور آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا۔

▣ بیت المعمور وہ مسجد ہے جو خانۂ کعبہ کے محاذی و مقابل ہے۔ یعنی خانۂ کعبہ کے ٹھیک اوپر آسمان میں، یہاں تک کہ اگر اس کا زمین پر گرنا فرض کیا جائے تو وہ کعبۂ معظّمہ پر آکر گرے۔ یہ وہ گھر ہے جسے حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے زمین پر اترنے کے بعد بھیجا گیا تھا۔ پھر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اٹھا لیا گیا اور آسمان پر اس کی قدر و منزلت ایسی ہی ہے جیسے زمین میں خانۂ کعبہ کی۔ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں اور اس کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ جس طرح انسان کعبۂ معظّمہ کا طواف کرتے ہیں۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے بیت المعمور کی زیارت کو آتے ہیں اور واپس ہوتے ہیں، تو دوبارہ اس کی طرف کبھی نہیں آتے۔ اسی طرح ہر روز آتے جاتے ہیں۔ یہ حال اس دن سے ہے جس دن سے بیت المعمور وجود میں آیا ہے اور ابد تک یوں ہی رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔

▣ حدیث میں مروی ہے کہ آسمان میں ایک نہر ہے اس نہر کو ''نہر الحیاۃ'' کہتے ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام روزانہ اس میں غسل کرتے ہیں۔ جب غسل کر کے نہر سے باہر آتے ہیں، تو اپنے بال و پَر کو جھاڑتے ہیں اور اس سے ستر ہزار قطرے پانی کے ٹپکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ تو یہی وہ فرشتے ہیں جو بیت المعمور کی حاضری دیتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ پھر دوبارہ اس کی طرف آنے کی نوبت نہیں آتی۔ امام اجل علامہ احمد بن محمد قسطلانی نے اپنی کتاب ''مواہب لدنیہ'' میں ایسا ہی نقل فرمایا ہے۔

(مدارج النبوۃ، اردو ترجمہ، جلد ۱، ص ۳۰۱)

▣ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی سیر فرمائی اور دوزخ کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ ان صفات و خوبیوں کے ساتھ جو قرآن اور حدیث میں مذکور ہیں۔ چنانچہ آپ نے جنت کو رحمت الٰہی کا مظہر دیکھا اور دوزخ کو عذاب و غضب کی جگہ اور جنت کو کھلی ہوئی اور دوزخ کو بند۔ (مدارج النبوۃ، جلد:۱، صفحہ:۳۰۴)

▣ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں کو ملاحظہ فرما چکے، تو اب قرب خاص میں باریابی اور حضوری کا وقت آیا۔ آپ اس اعلیٰ مقام پر پہنچے کہ تمام مخلوق سے انقطاع ہوگیا۔ آپ تنہا رہ گئے۔ کوئی فرشتہ یا انسان ساتھ نہ رہا۔ لیکن ہنوز ستر نورانی حجاب ایسے ہیں کہ ایک حجاب دوسرے حجاب کے ہم مثل نہ تھا۔ روایت میں آیا ہے کہ ہر حجاب کی تہ (موٹائی) پانچ سو برس کی راہ تھی۔ ابھی ان کا طے کرنا باقی تھا۔ چنانچہ آپ نے ان سب کو حق تعالیٰ کی اعانت و فضل سے طے فرمایا۔ تمام حجابات اٹھ گئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک خاص قسم کی حیرت اور دہشت اور حق تعالیٰ کے جلال و عظمت کی ہیبت پیش آئی۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد:۱، صفحہ:۳۰۵)

▣ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے کسی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بھیجا کہ کیا رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ''ہاں''۔ اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کو

خلعت سے اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کلام سے اور سید عالم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رویت سے خاص مشرف فرمایا ہے۔ (مدارج النبوۃ، اردو، جلد:۱، صفحہ:۳۱۲)

■ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی چشم مبارک سے دیکھا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا کیا حضور نے اپنی نظر اپنے رب کی طرف ڈالی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی نظر سے اپنے رب کو دیکھا۔ (خصائص کبریٰ، اردو، جلد:۱، صفحہ:۳۲۷)

■ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میرے لیے سبز رنگ کی رف رف بچھائی گئی۔ جس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا۔ اس سے میری آنکھوں کا نور چمکنے لگا۔ مجھے اس رفرف پر بٹھایا گیا۔ وہ مجھے لے کر روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا۔ اس کے بعد ایک ایسا امر عظیم دیکھنے میں آیا جس کی توصیف سے زبانیں قاصر ہیں۔ پھر عرش سے ایک قطرہ میرے قریب آیا اور وہ میری زبان پر گرا، میں نے اس چیز کو چکھا جسے کسی چکھنے والے نے کبھی اس سے زیادہ شیریں نہ چکھا ہوگا۔ اور مجھے اولین و آخرین کی خبریں حاصل ہوئیں اور میرا دل روشن ہوگیا۔ اور عرش کے نور سے میری آنکھیں ڈھانپ لی گئیں۔ اس وقت میں نے تمام چیزوں کو اپنے دل سے دیکھا اور اپنے پس پشت بھی ایسا ہی دیکھنے لگا، جیسا اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں۔

(مدارج النبوۃ، اردو، جلد:۱ صفحہ:۳۰۶)

توجہ درکار !!!

قارئین کرام غور فرمائیں کہ **"عرش تک جانا"** اسی کا نام معراج ہے۔ اور معراج صرف اور صرف حضور اقدس، **سید الانبیاء والمرسلین** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہی نصیب ہوئی۔ پوری کائنات میں **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی معراج کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ کسی نبی یا رسول کو بھی یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔ **شیخ محقق، شاہ عبدالحق محدث دہلوی** علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ **"معراج حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخص الخصائص، اشرف فضائل و کرامات، ابہر معجزات و کرامات میں سے ہے۔ اور جس مقام عالیہ تک آپ کی رسائی ہوئی ہے، کوئی بھی ہستی وہاں نہ پہونچی اور نہ پہونچ سکتی ہے۔"** (حوالہ:- "مدارج النبوۃ"، اردو ترجمہ، جلد:۱، صفحہ:۲۸۷) علاوہ ازیں **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسی ذات گرامی کہ جن کو معراج میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہمانِ مکرم و معظم کی حیثیت سے بلایا تھا اور آپ کو لینے کے لیے **حضرت جبرئیل** علیہ الصلاۃ والسلام کو راہبری اور راہ نمائی کے لیے بھیجا۔ حضرت جبرئیل آپ کو تیز رفتار **"براق"** پر سوار کر کے ساتوں آسمان کی مسافت، پھر وہاں سے **"سدرۃ المنتہیٰ"** تک لائے اور سدرۃ المنتہیٰ پر آ کر حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام رُک گئے اور آگے نہ بڑھے۔ کیونکہ وہاں سے آگے بڑھنے کی کسی میں تاب نہیں۔ آج تک اس مقام سے آگے بجز **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی بھی مخلوق نے تجاوز نہیں کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام بھی اس جگہ رُک گئے اور حضور سے جدا

ہوگئے۔ کیونکہ اگر اس جگہ سے ایک بال کے برابر بھی حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام آگے بڑھتے ،تو نور کی تجلّی سے ان کے پر (پنکھ) جل جاتے۔

(حوالہ:۔"**مدارج النبوۃ**"، اردو ترجمہ، جلد:۱،صفحہ:۲۹۹)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی سے آگے بڑھ کر پینتیس ہزار (35,000) برس (Year) کی مسافت (Distance) کے ستر ۷۰ (70) نورانی حجاب (پردے) طے فرمائے۔ پھر آپ تیز رفتار "**رفرف**" (گھوڑی=Mare) پر سوار ہو کر عرش پر پہونچے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور کا دیدار فرمایا۔ المختصر! **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اتنے واسطوں اور اتنی لمبی مسافت طے کرنے کے بعد عرش تک پہونچے۔

لیکن !!!

دارالعلوم دیوبند کے بانی اور وہابی جماعت کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کا **لونڈا باز شاگرد** ایک پل میں عرش تک پہونچ گیا۔ محلّہ چھتّہ کی مسجد میں بیٹھ کر نانوتوی صاحب نے لونڈے باز شاگرد مولوی منصور مرادآبادی کی ہتھیلی سے اپنی ہتھیلی کو رگڑا اور اغلام باز شاگرد کو ایک لمحہ میں عرش تک پہونچا دیا۔ یہ کوئی خواب کی بات نہیں بلکہ عالم بیداری کا واقعہ ہے۔ مولوی منصور مرادآبادی چھتّہ کی مسجد میں جب اپنے استاد مولوی قاسم نانوتوی صاحب کے پاس اغلام بازی کے مرض سے چھٹکارا حاصل کرنے کا علاج کرانے گئے تھے، تب کامل طور پر ہوش وحواس میں تھے۔ بیداری اور دانش کے عالم میں تھے۔ نیند یا غنودگی ان پر ہرگز طاری نہ تھی۔ اسی بیداری اور دانش کے عالم میں وہ نانوتوی صاحب کی ہتھیلی کی رگڑ کے طفیل آن کی آن میں عرش الٰہی تک پہونچ گئے تھے۔

صرف عرش پر پہونچنے پر بات ختم نہیں ہوئی۔ نانوتوی صاحب کی ہتھیلی کی رگڑ کا ایسا فیضان جاری ہوا کہ بقول مولوی منصور "**ہر چار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کرلیا ہے۔ گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں۔**" واہ! لونڈے باز ملّا واہ! کیا شان ہے، کیا رتبہ ہے، چاروں طرف سے نور نے احاطہ کرلیا۔ یعنی نور کے گھیرے میں آ گیا۔ کس کا نور؟ دربار الٰہی میں کس کا نور تھا؟ اور کس کے نور کی روشنی تھی؟ قارئین کرام جگر تھام کر سوچ کر فیصلہ کریں کہ مولوی منصور خود کو دربار الٰہی میں اللہ کے نور کے احاطے میں بتا رہا ہے، اور نانوتوی صاحب کے طفیل اپنی شانِ اعلیٰ وارفع کی بانسری بجا رہا ہے۔ عالم بیداری میں، جسم عنصر کے ساتھ دربار الٰہی میں نور کے احاطے میں خود کو موجود بتا کر خود کی معراج کا ڈھنڈھورا پیٹ رہا ہے۔

اس پر بھی بس نہیں کیا بلکہ اپنی شان تحمّل اور قوت برداشت بھی جتائی جا رہی ہے۔ کوہ طور پر عظیم الشان نبی ورسول **حضرت موسیٰ کلیم اللہ** علیہ الصلاۃ والسلام تو ایک آن کے لیے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور کا جلوہ نہ دیکھ سکے اور بیہوش ہوگئے۔ جس کا مفصل بیان قرآن مجید میں ہے کہ" **فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا**" (پارہ:۹،سورۂ اعراف، آیت نمبر:۱۴۳) ترجمہ:۔"**پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا، اسے پاش پاش کردیا اور موسیٰ گرا بے ہوش**" (کنزالایمان)

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نور کو دیکھنا انسان کے لیے امر محال ہے۔ اسی لیے جب حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے "**دیدار الٰہی**" کی خواہش اور تمنّا کرتے ہوئے عرض کیا کہ "**رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ**" ترجمہ:۔"**اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا**

کہ میں تجھے دیکھ سکوں‘‘ (کنز الایمان) موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی دیدار کی آرزو پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ **’’لَنۡ تَرَانِیۡ‘‘** ترجمہ:۔**’’تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔‘‘** (کنز الایمان) اور ہوا بھی یہی ۔موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام بلا واسطہ تو کیا طور پہاڑ کے واسطے سے بھی نہ دیکھ سکے۔ جس کو واسطہ بنایا گیا تھا، وہ طور کا پہاڑ بھی پاش پاش یعنی ریزہ ریزہ، ٹکڑے ٹکڑے، چور چور، پُرزے پُرزے ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام جیسے جلیل القدر نبی اور رسول بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نورِ الٰہی کی صرف ایک تجلی کی تاب نہ لا سکے اور گر پڑے بے ہوش ہوکر۔ ان میں اتنا تحمل نہ تھا۔ یہ تحمل صرف اور صرف **اللہ تعالیٰ** کے **محبوب اعظم** واکرم **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں تھا کہ آپ نے معراج کی شب حالتِ بیداری میں اپنے سر کی آنکھوں سے قریب سے دیکھا۔ بالکل قریب سے دیکھنے کے باوجود بھی **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ گرے، نہ بے ہوش ہوئے۔ بلکہ کمال قوّت اور وصف تحمّل سے ثابت قدم رہے۔ جس کا ذکر **قرآن مجید** میں اس طرح ہے کہ **’’مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی‘‘** (پارہ:۲۷، سورۃ النجم، آیت نمبر:۱۷) ترجمہ:۔**’’آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔‘‘** (کنز الایمان) اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہوا ہے کہ:۔

’’اس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمال قوت کا اظہار ہے کہ اس مقام میں جہاں عقلیں حیرت زدہ ہیں، آپ ثابت رہے اور جس نور کا دیدار مقصود تھا، اس سے بہرہ اندوز ہوئے۔ دائیں بائیں کسی طرف ملتفت نہ ہوئے۔ نہ مقصود کی دید سے آنکھ پھری، نہ حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرح بیہوش ہوئے بلکہ اس مقام عظیم میں ثابت رہے۔‘‘

(حوالہ: **’’تفسیر خزائن العرفان‘‘** حاشیہ بر کنز الایمان، **سورۃ النجم، آیت نمبر:۱۷** کی تفسیر کے ضمن میں **نمبر:۱۹، صفحہ نمبر:۸۳۹**، مطبوعہ:۔ **مرکز اہلسنت برکات رضا۔ پور بندر**)

قرآن مجید کی آیت اور تفسیر سے ماخوذ مندرجہ بالا اہم نکات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد وہابی، دیوبندی جماعت کے **حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی** کی کتاب **’’حکایات اولیاء‘‘** میں مذکور دیوبندی جماعت کی **’’گے کلب‘‘** (**Gay Club**) کے رکن (**Member**) **مولوی منصور مرادآبادی** کے اغلام بازی کے فحش واقعہ اور نانوتوی کے ذریعہ ان کا علاج کرنے کی ترکیب کی تفصیل پر مزید تبصرہ کریں۔

مولوی منصور مرادآبادی جیسا مرتکب **فعل قبیح** نانوتوی صاحب کی ہتھیلی کی رگڑ کے طفیل عرش تک پہونچ گیا اور **’’ہر چار طرف سے نور نے میرا احاطہ کرلیا‘‘** کہہ کر مولوی منصور مرادآبادی یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نور نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تو جب چاروں طرف سے نور نے اسے گھیر لیا، تو ظاہر ہے کہ اس نے نور کو ضرور دیکھا۔ بلکہ بقول مولوی منصور **’’خدا کی قسم میں نے صاف طور سے دیکھا‘‘** یعنی مولوی منصور نے صرف دیکھا نہیں بلکہ **’’صاف طور سے دیکھا‘‘** یعنی اس نے اللہ کے نور کو بالکل صاف طور سے (**Clearly**) دیکھا۔ دھندلا منظر (**Dim-Spectacle**) نہیں دیکھا تھا۔ صاف وشفّاف نظارۂ نور کیا تھا۔ اسی لیے تو اپنی بات کی سچائی اور صداقت کا اعتبار دلانے کے لیے **’’خدا کی قسم‘‘** کا جملہ شروع میں کہا ہے۔ یعنی میں کوئی گپ نہیں ہانک رہا، جھوٹ اور دروغ گوئی کو اس میں دخل نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ نور نے مجھے گھیر لیا اور میں نے نور کو **’’صاف طور‘‘** یعنی واضح طریقہ سے دیکھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولوی قاسم نانوتوی کے اغلام باز شاگرد مولوی منصور مرادآبادی نے جب نور کو صاف طور پر حالت بیداری میں دیکھا۔ تو نور کو عیاں طور سے دیکھنے کے نتیجے میں ان پر کیا اثر (Effect) ہوا؟ کوہ طور پر تو **جلیل القدر** نبی و رسول **حضرت موسیٰ** علیہ الصلاۃ والسلام تو دور سے صرف ایک جھلک دیکھتے ہی بیہوش ہو گئے اور یہاں مولوی منصور چاروں طرف سے نور کے احاطے میں محصور ہو کر صاف طور سے نور کو دیکھ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوت تحمّل اور کمال طاقت برداشت تو ایک آن میں جواب دے چکی اور ”**خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا**“ (القرآن) کے مطابق بیہوش ہو کر گرے۔ لیکن واہ! کیا بات ہے؟ کیا کہنا ہے؟ آسمان زمین کے قلابے ملائے جا رہے ہیں۔ اپنی باطل جماعت کے ایک اغلام باز (Gay Person) کی شان تحمّل کو اللہ تعالیٰ کے ایک مقدّس رسول کی شان تحمّل سے کہیں زیادہ بتائی جا رہی ہے۔ نور کو صاف طور سے دیکھنے کے باوجود مولوی منصور بیہوش نہ ہوئے، آنکھیں چندھیاں نہیں گئیں، نہ آنکھیں چکاچوند ہوئیں۔ صرف یہ ہوا کہ بقول مولوی منصور ”**میں اس وقت لرزاں اور ترساں تھا**“ یعنی نور کو صاف طور سے دیکھنے کی وجہ سے مولوی منصور ”**لرزاں**“ یعنی ڈرنا۔ کانپنا (حوالہ:۔ **فیروز اللغات، صفحہ:۱۱۵۳**) اور ”**ترساں**“ یعنی خوف زدہ، ڈرنا (حوالہ:۔ **فیروز اللغات، صفحہ:۳۵۵**) ہونے کی حالت میں تھا۔ لیکن ہوش وحواس سلامت تھے۔ جسمانی توازن (Balance/संतुलन) بھی نہ کھویا۔ نہ بیہوش ہوئے اور نہ ہی گرے۔ صرف یہ ہوا کہ لرزاں اور ترساں ہونے کی وجہ سے ”**میں پسینہ پسینہ ہو گیا**“ یعنی نور کو عیاناً دیکھنے کے باوجود مولوی منصور کو صرف پسینے کی زحمت ہوئی۔ کوئی بڑی

تکلیف نہ ہوئی بلکہ صرف پسینہ آنے کی معمولی تکلیف (Minor Trouble) ہوئی۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ جواب مولوی اشرف علی تھانوی کی تالیف کردہ کتاب ”**حکایات اولیاء**“ کی اسی زیر بحث حکایت میں موجود ہے کہ ”**حضرت برابر میری ہتھیلی پر اپنی ہتھیلی پھیر رہے ہیں**“

اس حکایت میں مولوی منصور نے پہلے یہ بیان کیا کہ مولوی قاسم نانوتوی نے ”**میری ہتھیلی سے اپنی ہتھیلی کو رگڑا**“ لیکن جب مولوی منصور مرادآبادی عرش پر پہونچ گیا اور نور نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا، تب نانوتوی صاحب نے ہتھیلی کو رگڑنے کے بجائے پھیرنا جاری کر دیا۔ پہلے ”**رگڑا**“ اور بعد میں ”**پھیرا**“۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ”**رگڑنے**“ میں اور ”**پھیرنے**“ میں بہت فرق ہے۔ کسی چیز کو جب ہاتھ سے رگڑا جاتا ہے، تب ہاتھ سے اس چیز پر دباؤ اور زور لگا کر ہاتھ کو پھیرا جاتا ہے اور جب کسی چیز پر صرف ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو کسی قسم کی طاقت، زور یا دباؤ کا استعمال کیے بغیر ہلکے ہلکے ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ نتیجۃً کسی چیز کو رگڑتے وقت ہاتھ کی رفتار بمقابل پھیرنے کے کم ہوتی ہے۔ جتنی دیر میں کسی چیز کو دس ۱۰، مرتبہ رگڑا جاتا ہے، اتنی دیر میں پچیس ۲۵، مرتبہ ہاتھ پھیرا جاتا ہے۔ الحاصل! رگڑنے سے پھیرنے میں ہاتھ کی حرکت اور رفتار تیز ہوتی ہے۔ مولوی منصور مرادآبادی کس کے فیض اور طفیل سے عرش پر پہونچا؟ نانوتوی جی کی ہتھیلی کے طفیل۔ یعنی نانوتوی صاحب کی فیض رساں ہتھیلی نے ہی مولوی منصور کو عرش تک پہونچایا۔ وہاں پہونچ کر مولوی منصور نے ”**صاف طور سے نور کو دیکھا**“ نور کو بالکل عیاں دیکھنے کی وجہ سے مولوی منصور پر کوئی اثر (Effect) نہ ہوا اور وہ نور کے جلوے کی

تاب نہ لاکر کہیں بیہوش ہوکر گر نہ پڑے، اس لیے اس کی دستگیری، نگہبانی اور محافظت و معاونت ضروری ہے اور یہ سب کارِ حمایت میری فیض رساں ہتھیلی ہی کر سکتی ہے۔ لہذا اب رگڑنا بند کر کے پھیرنا شروع کرو۔ تاکہ زیادہ مرتبہ میری ہتھیلی میرے ہونہار شاگرد کی ہتھیلی سے مَس (**Touch**) ہو اور زیادہ فیض پہونچائے کیونکہ اس وقت وہ ایسے مقام پر ہے کہ ان کی قوت تحمّل کس وقت جواب دے دے اور وہ نور کی تجلی کا جلوہ برداشت کرنے سے عاجز آکر بیہوش ہوکر گر پڑے۔

قارئین کرام! انصاف فرمائیں کہ انبیاء اور اولیاء کو عاجز بندہ کہہ کر اور لکھ کر ان نفوس قدسیہ کے تصرّفات و اختیارات کو ماننے کو شرک صریح و جلی کہنے والے وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے معتقدین اپنے گروہ کے پیشوا اور اپنی جماعت کے اکابر کے تصرّفات اور اختیارات ثابت کرنے کے لیے آسمان اور زمین کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شب معراج میں عرش تک رسائی اور دیدار الٰہی سے مشرف ہونے کی حقیقت میں شک و شبہ وچہ میگوئیاں کر کے ہزاروں نقص نکالنے والے منافقین اپنی جماعت کے اغلام باز مولوی کا عرش تک پہونچنا اور عیاں طور پر نور کو دیکھنا ثابت کر رہے ہیں اور گے کمپنی (**Gay Company**) کے رکن مولوی منصور مرادآبادی کو عرش تک پہونچانے اور نور کا جلوہ دکھانے کی سعادت حاصل ہونے کا سہرا ابھی اپنی جماعت کے اس مولوی کے سر پر باندھ رہے ہیں، جس کو دیوبندی جماعت کے پیشوا **مولوی رشید احمد گنگوہی** خواب میں دلہن کی شکل میں دیکھ کر نکاح کر رہے تھے اور خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں ایک چارپائی پر ساتھ سو کر بے حیائی اور

بے شرمی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یعنی دارالعلوم دیوبند کے بانی اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے لوگ جنہیں قاسم العلوم والخیرات کہنے اور لکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، وہ **مولوی قاسم نانوتوی** کو ایسا باکمال اور صاحب تصرّف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نانوتوی صاحب کی ہتھیلی ایسی دمدار اور باتصرّف تھی کہ اس کی رگڑ نے ایک اغلام باز کو عرش تک پہونچا دیا۔ یہ وہی نانوتوی صاحب ہیں، جنہوں نے ایک رنڈی کا جسم فروشی اور زناکاری کا دھندا جو بند ہو گیا تھا۔ اسے پھر سے شروع کرنے کے لیے تعویذ کا انتظام کروا دیا تھا اور دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کے استاد مولوی یعقوب نانوتوی کے پاس بھیج کر تعویذ حاصل کرنے کی راہ نمائی کر کے لال بتی علاقہ (**Red Light Area**) کی رونق برقرار رکھنے میں تعاون کیا تھا۔

یہ کوئی خود ساختہ الزام یا اتہام نہیں بلکہ ایک وقوع پذیر حقیقت ہے، جسے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے ہی بیان کیا ہے۔ آیئے! صرف ایک ورق الٹیے اور نئے عنوان سے شروع ہونے والے مضمون کا مطالعہ فرمائیں۔

⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘⌘

"رنڈی کا دھندا چالو کرنے کے لیے تعویذ دینا"

قرآن شریف میں **اللہ تبارک وتعالیٰ** نے صاف حکم ارشاد فرمایا ہے کہ **" وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ "** (پارہ:۶، سورۂ مائدہ، آیت نمبر:۲) ترجمہ: **"اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو"** (کنزالایمان)

قرآن مجید کے مندرجہ بالا فرمان عالی پر ہر مومن حتی الامکان سختی سے عمل کرتا ہے اور کبھی بھی، کہیں بھی، کسی طرح بھی، کسی کو بھی گناہ اور برائی کے کام پر مدد نہیں کرتا۔ بلکہ اسے گناہ اور برائی کا کام کرنے سے روکتا ہے اور باز رہنے کی نصیحت و تاکید کرتا ہے۔ جب عامۃ المسلمین کا اس فرمان الٰہی پر پختہ عمل ہے، تو قوم مسلم کے رہنما و ہادی علماء بدرجۂ اتم سختی اور مضبوطی سے اس پر عمل پیرا ہیں۔ مثال کے طور پر کسی مسجد کے امام کے پاس کوئی شخص جا کر عرض کرے کہ امام صاحب! میں نے سامنے والی گلی میں مکان نمبر:۲۴ رمیں جوئے کی کلب اور ساتھ میں انگریزی شراب کا کاروبار شروع کیا ہے۔ آپ برکت اور حفاظت کی دعا فرمادیں اور کوئی نقش یا تعویذ عنایت فرمادیں تاکہ کوئی

تکلیف یا نقصان نہ ہو۔ اس شخص کی بات سن کر مسجد کا امام **آگ بگولا** ہو کر اس شخص پر برس پڑے گا اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کر درشتی اور سختی کے ساتھ **چلتا بننے** کو کہیگا اور یہاں تک کہتے ہوئے بھی جھجھک محسوس نہیں کریگا کہ نالائق! حرام اور خلافِ شریعت کام میں مجھ سے تعاون کرانے آیا ہے؟ خبردار آئندہ ایسی حرکت کی تو ٹانگ توڑ دوں گا۔ ایسا کاروبار اور تجارت اور ہر کوئی ایسا کام جو شریعت میں حرام ہو، اس میں براہ راست یا بالواسطہ تعاون کرنا بھی حرام ہے۔ بلکہ میں ایک مخلص اور ہمدرد مومن کی حیثیت سے تجھے مشورہ دیتے ہوئے نصیحت بلکہ حکم کرتا ہوں کہ تو نے جو حرام تجارت شروع کی ہے، اس کو بلا تاخیر اور جلد از جلد بند کر کے خدا کی بارگاہ میں صدق دل سے توبہ واستغفار کر کے ہمیشہ کے لیے اس سے باز رہنے کا عہد و پیمان کر اور اپنی آخرت کو تباہ و برباد ہونے سے بچا۔

مسجد کا ایک سیدھا اور سادہ لوح امام بھی کسی بڑے غنڈے کو حرام اور ناجائز تجارت سے پرہیز و اجتناب کرنے کی نصیحت میں قطعاً اس بات کا لحاظ نہیں کریگا کہ اس کی دل شکنی ہوگی۔ بلکہ وہ بلا خوف و خطر کسی بھی قسم کی جھجھک محسوس کیے بغیر **"اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهْیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ"** یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنے کا فریضہ انجام دینے میں کسی قسم کا تامّل و تاخیر نہیں کریگا۔

لیکن!

خود کو ملّت اسلامیہ کا ہادی، رہبر، پیشوا اور مقتدا کہنے اور کہلانے والے اور وہابی دیوبندی جماعت کے اکابر دو (۲)، عالموں نے ایک رنڈی کا زنا کاری کا بند دھندا اور حرام پیشہ شروع کرنے کے لیے تعویذ و دعا سے اعانت و مدد کر کے اسلامی اخلاق و

کردار کی صاف وشفّاف پیشانی پر ذلت و رسوائی کا بدنما داغ لگا کر تمام افرادِ ملّت اسلامیہ کو شرمندہ کرنے کا قبیح ارتکاب کیا ہے۔ جس کا ذکر وثبوت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب **''ارواح ثلٰثہ''** جس کو **''حکایات اولیاء''** کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا ایک حوالہ ذیل میں درج ہے:۔

حکایت : (۳۰۲) فرمایا کہ میرٹھ مطبع مجتبائی میں ایک مقام پر مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ ایک جگہ ہی ٹھہرے ہوئے تھے مگر مولانا نانوتویؒ تو نیچے کے حصے میں تھے اور مولانا محمد یعقوب صاحب اوپر کے حصّے میں، ایک طوائف اپنی جوان لڑکی کو اپنے ساتھ لائی اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے (چونکہ مولانا بہت مشہور تھے) اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اس قدر مشہور نہ تھے کسی نے انہی کا پتہ دے دیا عرض کیا کہ میری لڑکی ہے اور ایک عرصہ سے بیمار چلی آ رہی ہے، میری گزراوقات اسی پر ہے۔ آپ اسے تعویذ دے دیجیے، یا دعا کر دیجیے، (مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے یوں چاہا کہ نہ تو میری وضع میں فرق آئے نہ اس عورت کی دل شکنی ہو) اس عورت سے فرمایا کہ اوپر ایک بزرگ ہیں۔ تم ان کے پاس لے جاؤ، یہ عورت اوپر پہونچی۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے پوچھا کہ کیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ یہ میری

لڑکی ہے اس کو تکلیف ہے اور میری گزر بسر اسی پر ہے۔ آپ دعا کر دیجیے یا تعویذ دے دیجیے، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے نہ معلوم دعا کی یا تعویذ دیا اور اسے رخصت کر کے نیچے تشریف لائے اور پوچھا کہ اسے کس نے بھیجا ہے؟ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ خاموش ہو گئے۔ فرمانے لگے کہ بڑے متقی نکلے۔ اپنے تقویٰ کی اس قدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا، اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے، خدا کے فضل سے اس کی لڑکی کو آرام ہو گیا، تو وہ مٹھائی لائی اور سیدھی اوپر مولانا کے پاس پہونچی اور ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت آپ کی دعا سے میری لڑکی کو صحت ہو گئی، یہ مٹھائی شکریہ میں لائی ہوں، مولانا نے فرمایا کہ رکھ دو، چنانچہ وہ رکھ کر چلی گئی، مولانا نیچے تشریف لائے اور فرمایا یہ حرام کمائی کی ہے۔ اس کا کھانا حرام ہے، مساکین کا حق ہے، اغنیاء کا حق نہیں ہے، جس کا دل چاہے لے لے، ہمارے حضرت نے فرمایا دیکھیے شریعت وطریقت سب جمع کر دی۔

حوالہ :

(۱) ''حکایات اولیاء'' از: مولوی اشرف علی تھانوی۔ ناشر: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔ (یو۔ پی) سن اشاعت: ۲۰۱۳ء، حکایت نمبر: ۳۰۲ صفحہ نمبر: ۲۵۱

(۲) ''ارواح ثلٰثہ'' از: مولوی ظہور الحسن کسولوی۔ ناشر: کتب خانہ امداد الغرباء، سہارنپور۔ (یو۔ پی) سن طباعت ۱۳۷۰ھ، حکایت نمبر: ۳۶۷، صفحہ نمبر: ۳۲۲

(۳) ''**حکایات اولیاء**'' از: **مولوی اشرف علی تھانوی**۔ ناشر: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند۔(یو۔پی) پرانا ایڈیشن، **حکایت نمبر:۳۶۷، صفحہ نمبر: ۳۳۹**

(۴) ''**حکایات اولیاء**'' از: مولوی اشرف علی تھانوی۔ ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند۔(یو۔پی)، **حکایت نمبر:۳۶۷، صفحہ نمبر: ۳۰۲**

وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے دو(۲) پیشوا یعنی:۔

(۱) دارالعلوم دیوبند کے بانی اور دیوبندی جماعت کے **قاسم العلوم والخیرات مولوی قاسم نانوتوی**

(۲) دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے استاد **مولوی یعقوب نانوتوی**

یہ دونوں ایک مرتبہ میرٹھ (Merrut) نام کے صوبہ، یو۔پی کے مشہور شہر میں گئے تھے اور میرٹھ کے ''**مطبع مجتبائی**'' (Mujtabai Press) میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ لیکن دونوں الگ الگ کمروں میں اور الگ الگ منزل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولوی قاسم نانوتوی نیچے کے حصّہ (Ground Floor) میں اور مولوی یعقوب نانوتوی اوپر کے حصّہ (First Floor) میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ میرٹھ میں ان دونوں کی آمد کی شہرت ہوئی۔ کیونکہ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہونے کی حیثیت سے مولوی قاسم نانوتوی صاحب بہت مشہور تھے۔ خیر! ان کے آنے کی خبر پا کر ایک رنڈی اپنی نوجوان لڑکی کو لیکر مولوی قاسم نانوتوی کے پاس آئی۔ رنڈی کی لڑکی نوجوان تھی اور وہ رنڈی اپنی نوجوان لڑکی سے جسم فروشی کا پیشہ کراتی تھی۔ لیکن ایک عرصہ سے وہ لڑکی بیمار تھی، لہذا رنڈی کا

کاروبار بند تھا۔ نتیجۃً آمدنی بھی بند تھی۔ مشینری میں خرابی (Break down) ہونے کی وجہ سے فیکٹری بند (Shut down) جیسا معاملہ تھا۔ زناکاری کا پیشہ (Trade) چل نہیں رہا تھا۔ اسے پھر سے چالو (Re-Start) کرنا تھا۔ آمدنی بحال (Reinstate) کرنی تھی۔ لہذا وہ رنڈی دارالعلوم دیوبند کے بانی اور وہابی پیشوا مولوی قاسم نانوتوی کی خدمت میں آکر عرض کرتی ہے کہ **''میری لڑکی ہے اور ایک عرصہ سے بیمار چلی آرہی ہے۔ میری گزراوقات اسی پر ہے۔ آپ اسے تعویذ دے دیجیے یا دعا کر دیجیے''**

میری گزر اوقات اسی پر ہے کا صاف مطلب یہی ہوتا ہے کہ میرا ''**گزارہ**'' (Livelihood/जीवन निर्वाह) اسی پر ہے۔ یعنی میری لڑکی پیشہ ور رنڈی (Prostitute) ہے، اپنے جسم فروشی کے بدلے میں جو آمدنی کرتی ہے، اسی آمدنی پر میرے ضروریات زندگی کے اخراجات منحصر ہیں، لیکن ایک عرصہ سے بیمار ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بھی کماتی نہیں ہے۔ آپ تعویذ یا دعا کر دیجیے تاکہ وہ پھر سے جسم فروشی کا پیشہ شروع کر کے کمانے لگے۔ وہ رنڈی کھلےلفظوں میں زناکاری کے حرام کام میں مدد کرنے کی گزارش کر رہی ہے۔ رنڈی بازی کے مذموم، قبیح اور ملعون کام میں نانوتوی صاحب سے تعاون چاہتی ہے۔ میرا حرام کاری کا پیشہ ابھی بند ہے، آپ شروع کروا دینے کا کرم فرما دیجیے۔ میری جوان لڑکی کی بیماری کا علاج فرما کر اسے کامل تندرست کر دو تاکہ وہ پرائے لوگوں کا بستر گرم کر کے کمانے لگے اور اس کی حرام کی کمائی سے میں کھایا پیا کروں۔

ایک بازاری عورت جسم فروشی کے حرام کے پیشہ میں تعاون کرنے کی دارالعلوم دیوبند کے بانی سے کھلےلفظوں میں گزارش کر رہی ہے اور وہ مدد بھی کسی دنیوی طور طریقہ

سے نہیں بلکہ مذہبی طریقہ سے مانگ رہی ہے۔ **''آپ اسے تعویذ دے دیجیے یا دعا کر دیجیے''** کہہ کر صاف لفظوں میں کہہ رہی ہے کہ آپ نے جو علم دین سیکھا ہے، جو اعمال قرآنی آپ جانتے ہیں۔ قرآن کی آیات سے تعویذ بنانے کا جو فن آپ جانتے ہیں، اس کا استعمال میرے جسم فروشی اور زنا کاری کے دھندے کے لیے کیجیے۔ آپ مذہبی پیشوا ہیں۔ رات دن ورد و وظائف میں منہمک رہتے ہیں۔ آپ مستجاب الدعوات یعنی آپ کی دعا فوراً بارگاہ خدا میں قبول ہوتی ہے، لہٰذا میری چھوکری کے لیے بھی دعا فرما دیجیے کہ وہ جلد از جلد صحت یاب ہو کر اس قابل ہو جائے کہ گاہک کا بستر گرم کر سکے اور گاہک خوش و مطمئن ہو کر انعام میں اچھی رقم عنایت کرے تا کہ میری خرچی جاری رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی سے رنڈی نے یہ نہیں کہا کہ میری لڑکی بیمار ہے لہٰذا اسے **یونانی دوا کا نسخہ لکھ دیں یا کوئی دیسی دوا دے دیں۔**

توحید کے نام نہاد علمبردار اور دین کے خود ساختہ پیشوا اور ملت اسلامیہ کے بزعم خویش ہادی، رہبر، مصلح و ناصح بننے والے اور شریعت کی پابندی کرنے کرانے کا نرا ڈھونگ رچانے والے وہابی دیوبندی جماعت کے مقتدا اور دارالعلوم دیوبند کے بانی **مولوی قاسم نانوتوی صاحب** کے ڈھونگ کا پردہ چاک ہو گیا۔ ایک رنڈی نے جسم فروشی اور زنا کاری کے کاروبار کے لیے تعویذ مانگا۔ تب ان پر فرض تھا کہ وہ تعویذ مانگنے والی رنڈی کو سختی سے ڈانٹ دیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں زنا کاری کی حرمت، ارتکاب زنا کی وعید اور سخت سزا و عذاب کے شرعی احکام سنا کر اسے پند و نصیحت کریں اور اس حرام پیشہ سے صدق دل سے توبہ کرا کے بارگاہ الٰہی میں استغفار و بخشش کی خواستگاری کی

ترغیب دلائیں اور نہ ماننے پر اُسے ذلیل و خوار کر کے لتاڑ کر بھگا دیں۔ لیکن ہائے! ایک دل پھینک عاشق کی جو حالت کسی حسینہ کو دیکھ کر ہوتی ہے، ایسی ہی کیفیت جناب نانوتوی صاحب پر طاری ہو گئی ہوگی۔ تعویذ کسی ڈاڑھی مونچھ والے مرد نے اپنے شراب خانے یا جوئے خانہ کے لیے نہیں مانگا تھا کہ اسے ڈانٹ کر بھگا دیا جائے بلکہ تعویذ ایک حسینہ، جمیلہ نے مانگا تھا۔ ملکۂ حسن و جمال نے گزارش کی ہے۔ **نانوتوی صاحب کا دل پگھل کر پانی ہو گیا۔** چاہے جسم فروشی کی تجارت کے لیے مانگا ہے لیکن تعویذ مانگا کس نے ہے؟ اس نے مانگا ہے جو سب کا دل خوش کرتی ہے۔ جو ہزاروں کے دلوں کا کنول کھلاتی ہے۔ بس نانوتوی صاحب کا **دل ڈانواں ڈول ہو گیا**۔ انکار کی ہمت نہ ہوئی۔ تعویذ دینے کے لیے **دل کھٹا میٹھا ہونے لگا**۔ تعویذ دے کر جلوہ آرا چھمّک چھلّو کی **دل جوئی کرلوں۔**

لیکن ....

ایک خیال نے نانوتوی صاحب کا **دل الٹ پلٹ کر دیا**۔ جسم فروشی اور زنا کاری کے کاروبار کے لیے میں نے اس رنڈی کو تعویذ دیا، اور اگر کسی کو اس کی اطلاع ہو گئی، تو میری وضع (Position) میں فرق آ جائیگا۔ میرا وقار (Reputation) بھی خراب اور مجروح (Damage) ہو جائیگا۔ اور اگر تعویذ نہیں دیتا تو اس **دلربا کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے**۔ ہائے، ہائے! میں بری طرح پھنس گیا ہوں۔ کروں تو کیا کروں؟ ہاں کہتے بھی نہیں بنتی اور نہ کہتے بھی نہیں بنتی۔ نانوتوی صاحب کی حالت **''سانپ کے منھ میں چھچھوندر۔ نگلے تو اندھا، اگلے تو کوڑھی''** جیسی ہو گئی۔ لہٰذا اس مصیبت سے جان چھوڑانے کے لیے نانوتوی صاحب نے راہ نکال ہی لی۔ بقول مولوی اشرف علی تھانوی

"مولانا محمد قاسم صاحب نے یوں چاہا کہ نہ تو میری وضع میں فرق آئے، نہ اس عورت کی دل شکنی ہو" یعنی نانوتوی صاحب کو معلوم تھا کہ اگر میں نے اس رنڈی کی خواہش کو پورا کرنے سے انکار کرتے ہوئے، تعویذ نہیں دیا، تو اس رنڈی کی **"دل شکنی"** ہوگی۔ میں اس حسن کی پری کی دل شکنی یعنی دل توڑنا ہرگز نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کا **دل رکھنا** چاہتا ہوں۔ اس کی آرزو اور خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن یہ کام بھی خطرے سے خالی نہیں۔ اگر کسی کو معلوم ہوگیا تو؟ میری وضع میں فرق آجائیگا۔

قارئین کرام غور فرمائیں! **"کسی کو معلوم ہوگیا، تو میری وضع میں فرق آئیگا"** اس خیال سے نانوتوی صاحب رنڈی کو تعویذ نہیں دے رہے ہیں۔ یہ خیال نہیں آتا کہ **"اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائیگا اور گناہ ہوگا"** خالص توحید کے دعویدار کو اللہ تعالیٰ کا ڈر نہیں۔ گناہ کا احساس نہیں بلکہ لوگوں کا ڈر ہے اور اپنی وضع میں فرق آنے کا اندیشہ ہے۔ اپنی وضع (Position) کا لحاظ کر کے نانوتوی صاحب تعویذ نہیں دے رہے۔ مگر تعویذ نہ دینے سے **"رنڈی کی دل شکنی"** ہونے کی **جان لیوا** آفت کا بھی خطرہ ہے۔ لہٰذا نانوتوی صاحب نے درمیانی راہ نکال کر اس رنڈی سے کہا کہ **"اوپر ایک بزرگ ہیں، تم ان کے پاس چلی جاؤ"** رنڈی کی دل شکنی نہ ہو، اس لیے نانوتوی صاحب نے اوپر کی منزل (First Floor) میں مقیم دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی یعقوب نانوتوی کے پاس اس رنڈی کو تعویذ لینے کے لیے بھیج دیا۔ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور وہابیوں کے پیشوا کو ایک رنڈی کی دل شکنی کی کتنی فکر ہے؟ ایک رنڈی کی دل شکنی کا لحاظ ہے لیکن لاکھوں، کروڑوں بلکہ بیشمار مسلمانوں کی دل شکنی کا مطلق لحاظ نہیں۔

- ❑ اپنی رسوائے زمانہ کتاب **"تحذیر الناس"** میں مولوی قاسم نانوتوی نے **حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار کر کے اور بعد زمانۂ نبوی بھی کسی نبی کے آنے کا امکان بتا کر کتنے مسلمانوں کی دل شکنی کی۔**
- ❑ مولوی قاسم نانوتوی نے مذکورہ کتاب میں یہاں تک لکھ مارا کہ امتی عمل کر کے نبی کے برابر ہوسکتا ہے بلکہ بڑھ بھی سکتا ہے۔
- ❑ مولوی رشید احمد گنگوہی نے **"فتاوٰی رشیدیہ"** میں لکھا ہے کہ ⊙ یا رسول اللہ کہنے والا کافر و مشرک ہے۔ ⊙ عشرۂ محرم میں صحیح روایات کے ساتھ بھی امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان کرنا حرام ہے۔ ⊙ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا اور آپ کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔ ⊙ درودِ تاج پڑھنا شرک ہے۔ ⊙ محرم کے مہینے میں پانی کی سبیل لگانا اور سبیل میں چندہ دینا حرام ہے۔ ⊙ عبد النبی، عبد الرسول وغیرہ نام رکھنا شرک ہے۔ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ اور والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کافر تھے۔ ⊙ محفل میلاد کی مجلس ہر حال میں ناجائز ہے۔ ⊙ شریعت کی پابندی کے ساتھ منائے جانے والے عرس میں شرکت جائز نہیں۔
- ❑ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے "براہین قاطعہ" میں تو یہاں تک لکھ دیا کہ معاذ اللہ ⊙ **شیطان اور ملک الموت کا علم حضور** اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں تھا۔ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت کا جشن منانا کنہیا کا جنم منانے کی مثل ہے۔

- مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی رسوائے زمانہ کتاب **''حفظ الایمان''** اور **''بہشتی زیور''** میں لکھا اور ان کے ملفوظات پر مشتمل کتب **''کمالات اشرفیہ''** اور **''حسن العزیز''** اور **''الافاضات الیومیہ''** وغیرہ میں مرقوم ہے کہ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم بچے، پاگلوں اور جانوروں کی طرح ہے۔ ⊙ شادی میں سہرا باندھنا شرک ہے۔ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تبرکات مثلاً موئے مبارک اور جبّہ شریف کی زیارت کے لیے جمع ہونا بدعت ہے۔ ⊙ گیارہویں شریف کی مٹھائی کو زمین میں دفن کر دینا چاہیے اور اس مٹھائی کو کھانا نہیں چاہیے۔ ⊙ نبی اور رسول کے چاہنے سے فلاں کام ہو جائیگا، ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر یا مشرک ہے۔
- مولوی اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب **''تقویۃ الایمان''** میں توہین رسول کرتے ہوئے لکھا کہ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے۔ ⊙ جس کا نام محمد یا علی ہے، وہ کسی بھی چیز کا مالک و مختار نہیں۔ ⊙ تمام انبیاء اور اولیاء کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں۔ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے۔ ⊙ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ بڑے بھائی جیسا ہے۔ ⊙ غلام رسول، غلام نبی، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے والا مشرک ہے۔ ⊙ کسی ولی کی درگاہ

پر زیارت کے لیے جانے والا مشرک ہے۔ ⊙ درگاہ کے کنویں کا پانی گھر لے جانے والا مشرک ہے۔ ⊙ قیامت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی کی بھی شفاعت نہیں کریں گے۔ ⊙ نبی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ ⊙ کسی بزرگ کو بارگاہ الٰہی میں اپنا وسیلہ بنانے والا مشرک ہے۔

المختصر !

انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی شان میں کھلی گستاخی، بے ادبی اور توہین پر مشتمل عقیدے کہے، لکھے اور پھیلائے۔ علاوہ ازیں صدیوں سے ملّت اسلامیہ میں رائج اور جائز مستحب مراسم کو بے دھڑک ناجائز، بدعت، حرام، کفر اور شرک کہا اور اس کے مرتکب پر شرک کے فتوے کی مشین گن داغی اور ہزاروں لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں بلکہ بے شمار مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کا دھکّا مارا۔ تب یہ خیال نہ آیا کہ اربوں اور کھربوں کی تعداد میں مسلمان بھائیوں کی **''دل شکنی''** ہوگی۔ بے شمار مسلمان بھائیوں کی دل شکنی کا مطلق لحاظ نہیں اور ایک رنڈی کی دل شکنی سے وہابی پیشوا پریشان ہیں۔ رنڈی کی دل شکنی وہابیوں کے پیشوا کو گوارا نہیں۔ اس لیے اُسے یہ کہتے ہوئے اوپر کی منزل میں بھیجا کہ **''اوپر ایک بزرگ ہیں، تم ان کے پاس لے جاؤ''** واہ! کیا سبیل ڈھونڈ نکالی! رنڈی کو بزرگ کے پاس بھیج رہے ہیں۔ کیوں؟ تعویذ لینے کے لیے۔ کس مقصد کے لیے تعویذ چاہیے؟ جسم فروشی اور زنا کاری کا کاروبار شروع کرنے کے لیے۔ یعنی نانوتوی صاحب نے رنڈی کو دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی یعقوب نانوتوی کے پاس تعویذ لینے بھیجتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ **''اوپر ایک بزرگ**

ہیں"، یعنی نانوتوی صاحب کے **"بزرگ"** زنا کاری کے حرام پیشہ میں مددگاری فرما دیں گے۔ نانوتوی صاحب نے خود نے تعویذ نہیں دیا لیکن تعویذ حاصل کرنے میں تعاون تو ضرور کیا۔ نانوتوی صاحب کو یقین تھا، یا کم از کم امید تو ضرور تھی کہ میرے بزرگ اس جسم فروش بازاری عورت کو مایوس نہیں کریں گے بلکہ ضرور حاجت روائی فرمائیں گے۔ اور نانوتوی صاحب کے بزرگ نے نانوتوی صاحب کے گمان کو حقیقت کا جامہ پہنا ہی دیا۔

نانوتوی صاحب کے مشورہ کے مطابق رنڈی اپنی لڑکی کو لیکر اوپر کی منزل (First Floor) پر مولوی یعقوب نانوتوی صاحب کے پاس پہونچ گئی۔ ایک اجنبی عورت کو جوان لڑکی کے ساتھ اپنے کمرے میں اچانک آدھمکنے سے مولوی یعقوب صاحب تھرتھرا اُٹھے اور پوچھا کہ "کیا ہے؟" اس رنڈی نے مولوی یعقوب صاحب سے بھی یہی کہا کہ یہ میری لڑکی بیمار ہے اور بیمار ہونے کی وجہ سے ویشیا گیری (Prostitute) کا کام نہیں کرسکتی، لہذا آپ تعویذ یا دعا کردیں، تاکہ یہ چھوکری کام پر لگ جائے اور میری بند خرچی پھر سے شروع ہوجائے۔ مولوی یعقوب نے رنڈی کی گزارش پر اپنے دینی اور مذہبی منصب کی غیرت اور حمیّت کا مطلق خیال نہ کیا۔ **پانی پانی** ہوکر فوراً رنڈی کی فرمائش پوری کردی۔ رنڈی تو اپنا کام بنا کر چلدی اور یہ جناب تھوڑی دیر تک سکتہ کے عالم میں غرق رہے۔ رنڈی کی ترچھی نگاہوں کا ان پر ایسا جادو چلا تھا کہ وہ **تیر نظر کا شکار بن کر** رنڈی کی درخواست کو بلا تامّل اور بلا توقف پوری کردینے کے بعد خیال آیا کہ ہائے ہائے! یہ سب کیا ہوگیا۔ بقول شاعر **"سب کچھ لٹا کر ہوش میں آئے تو کیا ہوا"** رنڈی کے چلے جانے کے بعد یہ جناب نیچے والی منزل (Ground Floor)

میں مقیم مولوی قاسم نانوتوی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ اس رنڈی کو میرے پاس کس نے بھیجا تھا؟ حالانکہ مولوی یعقوب کو معلوم تھا کہ یہ سب کرشمہ مولوی قاسم نانوتوی کا ہی ہے۔ لیکن اپنی صفائی اور پارسائی کا ڈھونگ رچانے کے لیے مصنوعی غصّہ اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ لیکن مولوی قاسم نانوتوی نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ اردو زبان کی مشہور مثل ہے کہ "چپ آدھی مرضی" یعنی جواب میں کوئی اگر نہ بولے تو سمجھا جاتا ہے کہ وہ راضی ہے۔ (حوالہ: فیروز اللغات، صفحہ: ۵۱۶) یعنی خاموش رہنا اقرار کرنے کے برابر ہے۔

لہذا اب مولوی یعقوب صاحب قاسم نانوتوی صاحب کو ڈانٹتے ہوئے کہتے ہیں کہ **"بڑے متقی نکلے، اپنے تقویٰ کی اس قدر حفاظت اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا"**۔ مولوی یعقوب نے مولوی قاسم نانوتوی سے کہا کہ واہ! تم تو بڑے متقی نکلے۔ اپنے تقوی کی اس قدر حفاظت کی۔ کیا حفاظت کی؟ قارئین زیر بحث "حکایات اولیاء" کی عبارت کو بغور پھر ایک مرتبہ مطالعہ فرمائیں کہ جب وہ رنڈی تعویذ لینے نانوتوی صاحب کے پاس گئی، تب نانوتوی صاحب نے اپنے تقوی اور پرہیزگاری کا ایسا کون سا کام انجام دیا تھا کہ نانوتوی صاحب کو **"بڑے متقی"** کہا جائے۔ کیا رنڈی آئی، تب نانوتوی صاحب نے رنڈی سے کہا کہ پردہ کر، برقعہ میں مستور ہوکر میرے پاس آ۔ کیا رنڈی کے بے پردہ آنے پر نانوتوی صاحب نے اپنی آنکھیں بند کرلیں تھیں کہ غیر محرم عورت پر نظر نہ پڑے۔ کیا نانوتوی صاحب نے رنڈی کو گناہ سے اجتناب اور پرہیز کی فہمائش و نصیحت کی تھی؟ شریعت پر پابندی کرنے کی ہدایت کی تھی؟ جسم فروشی کا

پیشہ دائمی طور پر ترک کر کے صدق دل سے توبہ واستغفار کرنے کی تلقین کی تھی؟ ایسا کون سا تقویٰ اور پرہیز گاری کا نیک کام نانوتوی صاحب نے کیا تھا کہ ان کو مولوی یعقوب یہ کہہ کر سراہتے ہیں کہ ''**اپنے تقویٰ کی اس قدر حفاظت**'' ہاں یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ نانوتوی صاحب نے اس رنڈی کے ساتھ کسی قسم کی جسمانی چھیڑ چھاڑ کر کے کوئی نازیبا اور غیر مہذب حرکت نہیں کی تھی۔ نانوتوی صاحب نے اس رنڈی کو مَس (Touch) تک نہیں کیا اور بقول مولوی یعقوب یہی نانوتوی صاحب کی تقویٰ کی حفاظت کا مجاہدہ تھا۔

مولوی یعقوب نانوتوی کا یہ کہنا کہ ''**اور میرے پاس خلوت میں بازاری عورت کو بھیج دیا۔ اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے۔**'' اس جملہ میں ایک خفیہ شکایت ہے کہ آپ نے اپنے تقویٰ کی حفاظت کرتے ہوئے، تنہائی میسّر ہونے کے باوجود اس بازاری عورت کے ساتھ کوئی جسمانی حرکت نہیں کی۔ کیونکہ آپ ''**بڑے متقی**'' ہیں۔ لیکن آپ نے خود غرضی کی راہ اور رویّہ اختیار کر کے مجھ پر یہ **ظلم ڈھایا** ہے کہ میرے پاس تنہائی میں بازاری عورت کو بھیج دیا۔ ''**اپنے نفس پر کس کو اعتماد ہے**'' یعنی اپنے ''**نفس**'' یعنی ذات، خواہشِ نفسانی پر کس کو بھروسہ ہے۔ تنہائی میں جسم کو فروخت کرنے والی عورت کے دامِ حسن میں اگر میں آجاتا تو؟ چکنی زمین پر پاؤں پھسلتے کیا دیر لگتی ہے؟ ایک حسینہ اور تنہائی؟ بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔ بقول شاعر :۔

بنتی نہیں ہے، صبر کو رخصت کیے بغیر -:- کام ان کی بیقرار نگاہوں سے پڑ گیا

اپنے نفس پر کس کو بھروسہ ہے۔ تم تو اپنے تقویٰ کی باعث محفوظ اور سلامت بچ نکلے اور میرے پاس تنہائی میں بازاری عورت کو جسم فروشی کا دھندا چالو کرنے کے لیے

تعویذ لینے بھیج دیا۔ اگر میں بہک جاتا تو؟ اگر میرا پاؤں پھسل جاتا تو؟ تعویذ دینے سے پہلے ہی تعویذ کا اثر ظاہر ہو جاتا۔ جسم فروشی کے بند کاروبار کا افتتاح (Inauguration) مطبع مجتبائی کی عمارت کی پہلی منزل سے ہی ہو جاتا۔

خیر! اب عبارت کے خطرناک جملہ کی طرف التفات فرمائیں۔ مولوی یعقوب صاحب سے تعویذ لیکر رنڈی چلی گئی۔ تعویذ مجرّب اور مؤثر ثابت ہوا۔ رنڈی کی بیمار چھوکری صحت یاب ہوگئی اور وہ لڑکی لوگوں کے عیش وعشرت کا سامان بن کر چند روپیوں کے عوض لوگوں کے بستر گرم کرنے لگی اور آمدنی شروع ہوگئی۔ اس معاملے کو وہابی، دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرفعلی تھانوی یوں بیان کرتے ہیں کہ ''**خدا کے فضل سے اس کی لڑکی کو آرام ہوگیا، تو وہ مٹھائی لائی**'' توبہ..... توبہ..... ''**خدا کے فضل**'' کو کس کام کے اجرا (Performance) کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ اپنے کو توحید الٰہی کے متوالے اور خالص توحید کے مبلغ کہنے والے منافقین زمانہ کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کتنے خطرناک انداز میں توحید کُش جملہ استعمال کر رہے ہیں۔ اس جملہ کو سراسر خلاف توحید اور خلاف شریعت ثابت کرنے کے لیے حسب ذیل ترکیب ملاحظہ فرمائیں۔

مندرجہ بالا جملہ تین (۳) جزو پر مشتمل ہے:۔

(۱) **خدا کے فضل سے۔**

(۲) **اس کی لڑکی کو آرام ہوگیا۔**

(۳) **تو وہ مٹھائی لائی۔**

پہلے جزو میں خدا کے فضل کا ذکر کیا جارہا ہے۔یعنی خدا کا فضل ہوا۔کیوں ہوا؟ تعویذ کی برکت سے۔یعنی مولوی یعقوب نانوتوی کا دیا ہوا تعویذ ایسا مؤثر تھا کہ اس کی بدولت خدا کا فضل ہوا۔کیا فضل ہوا؟ یہ فضل ہوا کہ رنڈی کی لڑکی کو آرام ہوگیا یعنی وہ لڑکی بیماری سے نجات حاصل کر کے صحت یاب ہوگئی یعنی اب وہ اس قابل ہوگئی کہ اپنا جسم فروشی کا حرام پیشہ کر سکے۔لڑکی صحت یاب ہوکر کیا کسی مکتب یا مدرسہ پڑھانے جانے والی تھی؟ کیا وہ کوئی گھریلو ہنر مثلاً کپڑا سینا، یا ایمبرائیڈری (Embroidery) کا کام کر کے کچھ کمانے والی تھی؟ نہیں، بلکہ عیاش واوباش لوگوں کا بستر گرم کرنے والی تھی۔اور وہ کام اس نے شروع کردیا۔معاوضہ میں نقد رقم ملنے لگی۔رنڈی کی تنگ دستی اب دور ہوگئی۔لہذا مولانا صاحب کے احسان کا بدلہ چکانے کی غرض سے مٹھائی لائی۔مٹھائی لانا ممکن کب ہوا؟ دوسرے اور تیسرے جزو میں جو ربط ہے، وہ اس کا جواب دے رہا ہے کہ ''**آرام ہوگیا، تو مٹھائی لائی**'' دونوں جزو کے درمیان جو لفظ ''**تو**'' ہے، وہ صاف بتا رہا ہے کہ آرام ہوگیا، یعنی رنڈی بازی کا کاروبار پھر سے شروع ہوگیا، تو.....یعنی جسم فروشی کی آمدنی شروع ہوئی تو **مٹھائی لائی**۔ اگر آرام نہ ہوتا تو؟ یعنی زناکاری کا دھندا چالو نہ ہوتا، تو کیا وہ مٹھائی لاتی؟ ہرگز نہیں۔کیونکہ دھندا بند ہونے کی صورت میں تو فاقہ کشی کی نوبت تھی۔کیونکہ رنڈی نے تعویذ مانگتے وقت کہا تھا کہ **میری گزر اوقات اور گزر بسر اسی پر ہے**۔یعنی زناکاری کے پیشہ پر ہی میرا ''**گزارہ**'' ہے۔یعنی رنڈی کا جس پر گزارہ تھا۔وہ کام شروع ہوگیا۔رنڈی کا جسم فروشی کا کام شروع ہوجانے پر ہی وہ مٹھائی لائی تھی اور مٹھائی لانا بقول تھانوی صاحب اللہ کے فضل سے رنڈی کا کاروبار شروع ہونے سے ہوا۔معاذ اللہ۔ثم معاذ اللہ۔

حکیم الامت اور **مجدد ملت** کے منصب پر چھلانگ لگا کر چڑھ بیٹھنے والے جاہلوں کے سردار مولوی اشرف علی تھانوی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حرام کام کے وقوع پذیر ہونے پر شکر الٰہی بجا لانا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ ''**اللہ کے فضل سے**'' کا جملہ اس وقت بولا جاتا ہے، جب کوئی مشکل کام آسان ہوجائے یا کوئی مصیبت سے نجات حاصل ہو یا کسی کام میں کامیابی یا برکت حاصل ہو۔اور یہ جملہ بطور **تحدیث نعمت** یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔لیکن حرام کاری کے ارتکاب پر ہرگز یہ جملہ نہیں بولا جائیگا۔

کھانے کے آداب میں سے ہے بلکہ سنّت ہے کہ کھانا کھانے یا پانی پینے کے وقت ''**بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ**'' پڑھیں۔کوئی بھی کھانا یا پھل یا کوئی بھی حلال چیز کھاتے وقت یا پانی، یا دودھ، شربت یا کوئی بھی حلال چیز پیتے وقت ہم ''**بسم اللہ**'' کہیں۔لیکن اگر کسی نے معاذ اللہ شراب پیتے وقت بسم اللہ کہا، تو وہ کافر ہوجائیگا۔کیونکہ اس نے شراب جیسی حرام چیز پیتے وقت بسم اللہ کہہ کر **اللہ تعالیٰ** کے نام کی توہین کی ہے۔

ایک معتبر حوالہ پیش خدمت ہے:-

''**وَكَذَالَوْ قَالَ عِنۡدَ شُرۡبِ الۡخَمۡرِ وَالزِّنَا بِسۡمِ اللّٰهِ**''

ترجمہ : اور اسی طرح (وہ شخص بھی کافر ہوجائیگا) جس نے بسم اللہ پڑھ کر شراب پی یا زنا کیا۔

حوالہ : ''**شرح العقائد**''، مصنف: علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المتوفی ۷۹۱ھ، صفحہ نمبر: ۱۶۱، ناشر مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، (یو۔پی)

ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم وفقیہ علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی کی معتبر ومعتمد ومستند کتاب **''شرح العقائد''** کی مندرجہ بالا عبارت نے صاف حکم شریعت مرقوم فرمادیا کہ اگر کسی نے شراب پیتے وقت یا زنا کرتے وقت **''بسم اللہ''** کہا، تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوکر کافر ہوجائیگا۔ **المختصر! قطعی حرمت رکھنے والے حرام کام کے وقت اگر کسی نے ''بسم اللہ'' کہا، تو وہ کافر ہوجائیگا۔**

اب ضروری نکتہ کی طرف بھی توجہ درکار ہے کہ کھانا کھاتے وقت ''بسم اللہ'' حصول برکت کے لیے پڑھا جاتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھانے سے برکت ونعمت حاصل ہوگی۔ ابھی کھانا شروع نہیں کیا بلکہ شروع کرنا ہے۔ شروع کرنے سے پہلے **''بسم اللہ''** پڑھی جاتی ہے، پھر کھانا کھانے کی ابتداء ہوتی ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرنے والا امید رکھتا ہے کہ میں نے کھانا کھانے کی ابتداء بسم اللہ پڑھ کر کی ہے لہذا امید ہے کہ برکت ونعمت حاصل ہوگی یعنی اللہ کا فضل ہوگا۔ اور اگر کسی نے شراب پیتے وقت بسم اللہ کہا، تو اس کے لیے کیا حکم ہے وہ علامہ تفتازانی (المتوفی ۷۹۱ھ) کی معتمد کتاب **''شرح العقائد''** کے حوالے سے ہمیں معلوم ہوچکا ہے۔

لیکن ......

مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی یعقوب نانوتوی کے قصہ میں رنڈی کو زناکاری کا تعویذ دینے کے معاملے میں **''اللہ کے فضل''** کی امید نہیں کی جاتی بلکہ اللہ کا فضل حاصل ہوچکنے کا تذکرہ ہے۔ یعنی معاذ اللہ **''اللہ کے فضل سے رنڈی کا زناکاری کا دھندا چلنے لگا''** اور رنڈی کا دھندا یعنی زناکاری کا حرام پیشہ بقول تھانوی صاحب اللہ کے فضل

سے چلنے لگا اور آمدنی شروع ہوگئی، تو شکریہ میں رنڈی مٹھائی لائی۔ قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں کہ توحید خالص کے دعویدار وہابی دیوبندی جماعت کے اکابر **''اللہ کے فضل''** کا ذکر کتنے خطرناک انداز میں اور کیسے قبیح اور مذموم کام کے ارتکاب کے موقعہ پر استعمال کررہے ہیں۔

''رنڈی کی حرام کی کمائی کی مٹھائی''

دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور وہابی، دیوبندی جماعت کے حکیم الامت مولوی **اشرفعلی تھانوی کے استاد** مولوی یعقوب نانوتوی نے رنڈی کا بند کاروبار تعویذ دے کر شروع کرادیا۔ لہذا اس رنڈی کی تنگ دستی فراخ دستی میں اور مایوسی سرور وخوشی میں تبدیل ہوگئی۔ لہذا اپنے دامن کو گوہر فرحت سے بھردینے والے مولوی یعقوب نانوتوی کی عنایتِ تعویذ کے احسان کا **بدلہ اتارنے** اور شکریہ ادا کرنے کے لیے مٹھائی کا تحفہ لائی۔ آگے کا حال اب تھانوی صاحب کی **''حکایات اولیاء''** کتاب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں:۔

''تو وہ مٹھائی لائی اور سیدھی اوپر مولانا کے پاس پہنچی''۔ اب نیچے کی منزل (Ground Floor) میں مولوی قاسم نانوتوی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ اب تو اوپر والے مولانا سے براہِ راست تعلق (Direct Contact) ہوگیا ہے۔ بڑے محبت آمیز سلوک کرنے والے ہیں۔ پہلی ہی ملاقات میں محبت جتا کر تعویذ عنایت فرمادیا

اور میرا بند دھندا پھر سے شروع کرادیا۔تعویذ کی میری درخواست پر مجھے نیچے والے
مولانا کی طرح کسی اور کے پاس نہیں بھیجا بلکہ میری درخواست کوشرف قبولیت سے نواز
کرفوراً تعویذ عنایت فرمادیا۔اس کے دربار محبت میں تو بلا جھجک داخلہ (Entry) ہے۔
لہذا وہ بلا روک ٹوک بلا خوف وخطر مولوی یعقوب نانوتوی صاحب کے پاس پہنچ گئی'' **اور
ہاتھ جوڑ کر کہا کہ حضرت آپ کی دعا سے میری لڑکی صحت یاب ہوگئی۔ یہ مٹھائی شکریہ میں
لائی ہوں، مولانا نے فرمایا: رکھ دو، چنانچہ وہ رکھ کر چلی گئی''** پھر کیا ہوا؟ ''**مولانا نیچے
تشریف لائے اور فرمایا یہ حرام کی کمائی کی ہے۔اس کا کھانا حرام ہے۔**''

واہ! کیا حق گوئی ہے!!! جب رنڈی مٹھائی کا تحفہ دینے آئی، تب اس سے یہ نہ
کہا کہ تیری کمائی حرام کی ہے۔ تیری حرام کمائی کی مٹھائی کھانا حرام ہے۔ تیری مٹھائی
واپس لے جا۔ تیرا تحفہ میں قبول نہیں کرسکتا بلکہ جب رنڈی مٹھائی لے کر آئی اور اس نے
خلاصہ بھی کردیا کہ آپ کی دعا اور تعویذ کی وجہ سے میری لڑکی اب صحت یاب ہوگئی ہے
یعنی جسم فروشی کی تجارت اب جاری ہوگئی ہے۔ اسی کی خوشی اور شکریہ میں مٹھائی لائی
ہوں۔تب مولوی یعقوب نانوتوی کو حلال وحرام کے شرعی احکام یاد نہیں آئے۔**منہ پر سوا
من کا تالا لگ گیا۔** کچھ بھی نہ بولے۔صرف اتنا کہا کہ ''**رکھ دو**'' میرا تحفہ شرف قبولیت
سے نوازا گیا ہے اور رکھ دینے کا حکم صادر ہوا ہے۔لہذا رنڈی مٹھائی کا تحفہ بارگاہ یعقوبی
میں رکھ کر چلی گئی۔ رنڈی کی موجودگی میں تو مولوی یعقوب نانوتوی صاحب کے منہ کو
قفل لگ گیا تھا۔لیکن رنڈی کے چلے جانے کے بعد خیال آیا کہ حرام کمائی کی مٹھائی میں

نے قبول کرلی ہے۔لہذا اب اپنی صفائی اور پارسائی دکھانے کے لیے نیچے مولوی قاسم
نانوتوی والی منزل (Floor) پر آئے اور ''**پانی پی کر ذات پوچھنا**'' والے محاورے پر عمل
کرتے ہوئے بقراطی چھانٹتے ہوئے شرعی حکم سناتے ہیں کہ ''**اس کا کھانا حرام ہے**'' یہ
حکم کہاں سنا رہے ہیں؟ نیچے کی منزل میں، جہاں دارالعلوم دیوبند کا بانی اور ایک مولوی
یعنی مولوی قاسم نانوتوی ٹھہرا ہوا ہے اور اُسے یہ معلوم ہے کہ حرام کمائی کی چیز کھانا حرام
ہے۔یعنی جسے معلوم ہے، اسے حکم شریعت سنا رہے ہیں اور جسے معلوم نہیں، اس رنڈی
کے سامنے تو ''**ٹک ٹک دیدم ۔ دم نہ کشیدم**'' کی حالت ہے۔رنڈی کے بناؤ سنگار سے
آنکھیں چکا چوند ہوگئیں اور مرعوب ومبہوت ہوکر منہ سی لیا اور حکم شرعی سنانے سے سکوت
اختیار کرلیا۔

نیچے آکر مولوی یعقوب نے ''**بے وقت کی راگنی گاتے ہوئے**'' جو شرعی حکم سنایا
اور ''**حرام کمائی کی مٹھائی کھانا حرام ہے**'' یہ کہنے کے بعد جو وضاحت کی ہے، اس میں
''**بے وقوف کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں**'' والی مثل کا کامل طور پر مظاہرہ کیا ہے۔ یہ
مٹھائی حرام کمائی کی ہے لہذا اس کا کھانا حرام ہے، یہ کہنے کے بعد مولوی یعقوب نے کہا
کہ ''**مساکین کا حق ہے، اغنیاء کا حق نہیں، جس کا دل چاہے لے لے**'' یعنی حرام کمائی کی
یہ مٹھائی غریب ومساکین اشخاص کھا سکتے ہیں۔ مالدار اور امیر لوگ نہیں کھا سکتے۔جس کا
مطلب یہ ہوا کہ غریب ومسکین کو حرام چیز کھانے کی اجازت ہے۔امیر اور مالدار لوگ
حرام چیز نہیں کھا سکتے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ مولوی یعقوب نانوتوی نے یہ حکم مطلق

طور پر کہا۔کوئی شرعی عذر کی حالت میں اجازت ہونے کا ذکر نہیں کیا بلکہ عام حکم سنایا ہے کہ حرام کمائی کی چیز غریب کے لیے جائز اور امیر کے لیے حرام ہے۔ مولوی یعقوب نانوتوی کے اس مضحکہ خیز اصول پر گرفت اور تنقید کرتے ہوئے اگر تبصرہ کیا جائے، تو کئی صفحات پر مشتمل ہوگا۔ لہذا تبصرہ سے **صرفِ نظر کرتے** ہوئے، صرف اتنا ہی کہنا ہے، کہ علمائے دیوبند کے اکابر میں جن کا شمار ہوتا ہے، ان علمائے دیوبند میں بھی تفقّہ اور تفہیم مسائل کا سراسر فقدان ہے اور عوام المسلمین میں جتنی دین کی تمیز ہوتی ہے، اتنی تمیز بھی ان میں نہیں۔

جملہ کے آخری جزو میں تو **بیوقوفی کے گل کھلاتے** ہوئے مولوی یعقوب نے کہا کہ ''**جس کا دل چاہے لے لے**'' یعنی حرام کمائی کی یہ مٹھائی کھانے میں غریب کے لیے حلال اور امیر کے لیے حرام ہونے کے باوجود ''**جس کا دل چاہے لے لے**'' اگر دل چاہے، تو پھر غریب و امیر کی قید اور پابندی نہیں۔ دل چاہنا چاہیے۔ جس کا دل چاہے وہ کھائے، پھر وہ کھانے والا امیر ہو یا غریب۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سوال صرف ''**دل چاہنے**'' کا ہے۔ اگر دل چاہتا ہے، یعنی اگر دل کو گوارا ہے، تو کھاؤ۔ اب شریعت کے حرام و حلال کے حکم کی کوئی حیثیت و وقعت نہیں۔ دل چاہتا ہے، یہی مناسب و حلال ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس بحث کو عارضی وقفہ (**Temporary Break**) دیتے ہوئے، گیارہویں شریف کی مٹھائی کے تعلق سے وہابی، دیوبندی نظریہ کا ایک حوالہ پیش خدمت ہے:۔

''گیارہویں کی مٹھائی زمین میں دفن کردو''

پیران پیر، پیر دستگیر، سلطان الاولیاء، قطب الاقطاب، **حضور شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی غوث اعظم بغدادی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایصال ثواب کے لیے تقسیم کی جانے والی، حلال و پاکیزہ کمائی کی جائز رقم سے خریدی ہوئی مٹھائی کے لیے وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے یہ حکم دیا ہے کہ اسے کھانا نہیں چاہیے بلکہ زمین میں دفن کر دینا چاہیے۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیں :۔

''ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر گیارہویں کی مٹھائی آئے تو اس کا کیا کرے؟ فرمایا لیکر کہیں دفن کردے اور رد کرنے میں عوام کے اندر اشتعال کا اندیشہ ہے۔''

حوالہ :

(۱) ''**کمالات اشرفیہ**''، (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)
مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو. پی) سن اشاعت: ۱۹۹۵ء، **باب: ۱، ملفوظ: ۶۲۸، صفحہ: ۱۵۲**

(۲) ''**کمالات اشرفیہ**''، (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)
مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، ناشر: مکتبہ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور، (یو. پی)، **باب: ۱، ملفوظ: ۶۲۸، صفحہ: ۲۰۹**

(۳) ''**کمالات اشرفیہ**''، (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)
مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الٰہ آبادی، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یو. پی) سن اشاعت: ۱۴۲۷ء، **باب: ۱، ملفوظ: ۶۲۸، صفحہ: ۱۷۶**

"کمالات اشرفیہ" کی مندرجہ بالا عبارت میں تھانوی صاحب کھلّم کھلاّ
لفظوں میں حکم دے رہے ہیں کہ **"گیارہویں کی مٹھائی کو زمین میں دفن کردو"** یعنی یہ
مٹھائی اس قابل نہیں کہ اسے کوئی بھی کھائے۔ یعنی انسان اور جانور کسی کے بھی کھانے
کے لائق نہیں۔ اسی لیے زمین میں دفن کر دینے کا حکم دیا ہے۔ زمین میں دفن کر دینے کا
حکم کتنا وحشت ناک ہے، وہ دیکھیں۔ مثال کے طور پر کسی نے کھیر پکائی۔ کھیر سے بھری
ہوئی پتیلی باورچی خانہ کے فرش پر رکھی ہوئی تھی کہ اس کا ڈیڑھ سالہ لڑکا باورچی خانے
میں پاپا۔ پگلی کرتے ہوئے آدھمکا۔ لڑکے کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا اور وہ بالکل ننگا
تھا۔ اسی حالت میں وہ کھیر کی پتیلی کے قریب آکر کھڑا ہو گیا اور اچانک اس نے شُو۔ شُو
یعنی پیشاب کر دیا اور پیشاب کھیر کی پتیلی میں گرا اور پتیلی میں رکھا ہوا کھیر پیشاب کے
ساتھ مخلوط ہو کر ناپاک ہو گیا۔ اب وہ کھیر کوئی نہیں کھائیگا۔ بلکہ کسی مانگنے والے فقیر کو بھی
نہیں دیا جائیگا۔ وہ ناپاک شدہ کھیر کسی کتّے یا بلّی کو کھلا دیا جائیگا۔ کیونکہ وہ ناپاک کھیر کسی
آدمی کے کھانے کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے کسی جانور کو کھلا دیا جائیگا۔ لیکن اگر اس کھیر
میں اتفاقیہ قاتل زہر (Poision) کی بوتل کسی نے ڈال دی اور اب وہ کھیر بھی زہر کی
آمیزش کی وجہ سے زہریلی اور مہلک ہو گئی، تو اب اس کھیر کو کسی جانور کو بھی نہیں کھانے دیا
جائیگا بلکہ حفظ جاں اور سلامتی کے طور پر اُسے زمین میں دفن کر دیا جائیگا۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے **گیارہویں کی مٹھائی کو زمین میں دفن کر دینے کا
حکم** دے کر بند لفظوں میں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ گیارہویں شریف کی مبارک
نیاز کی مٹھائی کسی انسان تو کیا، کسی جانور کے کھانے کے قابل بھی نہیں۔

لیکن.....

رنڈی کی حرام کمائی کی مٹھائی کے لیے دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین یہ
کہہ رہے ہیں کہ یہ مٹھائی غریب کھا سکتا ہے یا وہ کھا سکتا ہے، جس کا دل چاہے۔ کتنا
عظیم تضاد ہے؟ گیارہویں کی مٹھائی جس پر قرآن مجید کی آیات اور مسنون دعائیں
پڑھی جائیں، وہ مٹھائی وہابی، دیوبندی گروہ کے حکیم الامت کے نزدیک جانور کے
کھانے کے بھی قابل نہیں اور اسے دفن کر دینا چاہیے لیکن پرائے مرد کا بستر گرم کر کے کالا
منہ کر کے کی ہوئی حرام کمائی کی مٹھائی جس کا جی چاہے، وہ کھائے۔ بقول شاعر :۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی میرے خدا نہ دے -:- دے موت آدمی کو، مگر یہ بدادا نہ دے

"مطالعۂ بریلویت" نام کی رسوائے زمانہ کتاب کے تنگ نظر اور عصبیت پسند
مصنف ملاّ **خالد محمود مانچسٹری** صاحب اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں اور اپنے
اکابر کے ملفوظات وسوانح حیات کے موضوع پر کثیر التعداد چھپنے والی جہل سطح کی کتابوں
میں مرقوم فحش وجہل پر مشتمل حکایات وملفوظات کو بنظر تخجل پڑھیں اور شیشے کے گھر میں رہ
کر دوسروں کو پتھر مارنے کی بیوقوفانہ حرکت سے باز آئیں۔ خصوصاً ملّت اسلامیہ کے
محسن، امام اہلسنت، مجدد دین وملت، **الشاہ امام احمد رضا محقق بریلوی** علیہ الرحمۃ والرضوان
کے خلاف اختراعی الزامات ومصنوعی اعتراضات کرنے سے اپنے شریر اور فتنہ پرور قلم کو
لگام دیں اور **ننگ وناموس کو خیرآباد** کہہ کر اپنے کو **ننگِ بنی نوع آدم** کا نمونہ نہ بنائیں۔
پروفیسر خالد محمود مانچسٹری کی رسوائے زمانہ کتاب **"مطالعۂ بریلویت"** کا انشاءاللہ قسط
وار دندان شکن جواب جاری اور ساری رہیگا۔

وہابی سرکس کا مسخرہ (Joker)

ہر سرکس (Circus) میں تماشائی (Audience) کی تفریح طبع اور ہنسی مذاق کا ماحول قائم کرنے کے لیے ایک مسخرہ یعنی جوکر (Joker) ہوتا ہے۔ جوکر اپنی مضحکہ خیز حرکت اور ذو معنی فحش ولغو جملوں پر مشتمل گفتگو سے ماحول میں ہنسی مذاق اور دل لگی کا سماں قائم کرتا ہے اور تماشائی (प्रक्षकों) کو ہنساتا ہے اور انہیں خوش و محظوظ کرتا ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی حیثیت بھی وہابی سرکس (Wahabi Circus) کے جوکر جیسی ہی ہے۔ کیونکہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے ملفوظات اور سوانح حیات پر مشتمل جو کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی ہیں، ان کتب کے مطالعہ سے یہ بات آفتاب نیم روز کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ تھانوی صاحب اپنی دینی مجالس اور روز مرّہ کی گفتگو میں مسخرہ پن کا انداز بڑی فراخ دلی سے اپناتے تھے بلکہ اکثر و بیشتر وہ فحشیات اور لغویات سے مخلّط مثالیں دیا کرتے تھے بلکہ دینی اور مذہبی مسائل کی افہام وتفہیم میں بھی فحش مثالیں اور فحشیات سے مرکّب جوابات دیا کرتے تھے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس کا اعتراف تھانوی صاحب کے ملفوظات کے جامع نے خود اقرار کیا ہے۔ جس کا ذکر اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ہم کر چکے ہیں۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ اگر تھانوی صاحب نے کوئی لغو یا فحش گفتگو کسی ایک شخص سے کہی ہوتی تھی، تو اس کو بعد میں اپنی محفل میں لوگوں کے سامنے ذکر کرتے تھے اور بے وقوف

سامعین اسے ضبط کر کے شائع بھی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ''حسن العزیز'' میں ہے کہ **''تھانوی صاحب کا ایک نوکر تھا، جس کا نام ''نیاز'' تھا۔ نیاز کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ لہٰذا وہ تھانوی صاحب سے لڑکے کا کیا نام رکھوں؟ یہ پوچھتا ہے۔ تھانوی صاحب نے جواب دیا کہ تیرا نام نیاز ہے۔ لہٰذا اپنے لڑکے کا نام ''پیاز'' رکھ لے۔ تاکہ باپ بیٹے کے نام ہم وزن قافیہ ہو جائیں''** ایسی لغو، لچر، پھوہڑ، فحش، بیہودہ، بے تکی، بے معنی، پوچ، بے ربط، مہمل اور احمقانہ باتیں، تھانوی صاحب کے ملفوظات و سوانح حیات سے تعلق رکھنے والی کتابوں میں اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ اگر صرف ان باتوں اور جملوں کو جمع کیا جائے، تو ایک مستقل مبسوط کتاب بن جائے۔

علاوہ ازیں تھانوی صاحب دو شادیاں کرنے کے باوجود اولاد کی نعمت سے محروم تھے اور بانجھ تھے۔ حالانکہ حصول اولاد کے لیے ڈاکٹروں اور حکیموں سے بہت ہی علاج اور معالجہ کروائے۔ اپنی بیگم کو لیکر ڈاکٹروں کے دواخانہ اور حکیموں کے شفاخانہ کے متعدد چکّر کاٹے مگر وائے کم نصیبی کے اولاد سے گود نہ بھری۔ اولاد نہ ہونے کا سبب از روئے طب و سائنس طے ہونا معلوم نہ ہوسکا کہ کھوٹ اور کمی تھانوی صاحب میں تھی یا ان کی دونوں بیگمات میں تھی۔ البتہ تھانوی صاحب میں کھوٹ ہونے کے امکانات زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ماہر جنسیات (Sexologist) نے اپنے تجربات کی بناء پر یہ رائے دی ہے کہ جو شخص جماع کی قوت نہیں رکھتا، اسے ہر وقت جماع (Sexual Copulation) کے خیالات آتے رہتے ہیں، جس کا اظہار وہ اپنی روز مرّہ کی عام گفتگو میں کرتا ہے۔ کسی بات کی افہام وتفہیم میں بھی وہ فحشیات پر مشتمل مثالیں دیتا ہے۔ علاوہ ازیں علم وادب کی

بھری محفل میں بھی وہ اس قسم کی فحش ولغو گفتگو کرنے میں جھجھک محسوس نہیں کرتا بلکہ ایسی لچر، لغو، پھوہڑ اور بیہودہ گفتگو کو اپنی ذہانت اور حاضر جوابی کی قابلیت سمجھتا ہے۔نتیجہ یہ آتا ہے کہ اس سے مرعوب لوگ اس کے سامنے کچھ نہیں کہتے، نہ اعتراض کرتے ہیں، نہ ایسی بے تکی اور احمقانہ گفتگو سے باز آنے کا مشورہ دیتے ہیں۔لیکن اس کی ذہنیت کا اندازہ ضرور لگا لیتے ہیں کہ یہ جناب کس خاصیت اور معیار کے شخص ہیں۔

وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے حکیم الامت **مولوی اشرف علی تھانوی** صاحب مذکورہ بالا خصائص وصفات میں کامل دسترس اور چابک دستی کے حامل تھے۔وہ دینی مسائل و معاملات میں بھی فحش مثالیں بے دھڑک دیا کرتے تھے۔اور ان کی محفل میں موجود بیوقوف حاضرین اسے قلم بند کر کے شائع بھی کرتے تھے۔ چند مثالیں بطور نمونہ قارئین کرام کی فرحت طبع کی خاطر پیش خدمت ہیں:۔

”عوام کا اعتقاد مثل گدھے کا عضو تناسل“

عامۃ المسلمین جن کو عوام کہا جاتا ہے، ان کی تعداد بے شمار ہے، عوام یعنی بے پڑھے لوگ یعنی جنہوں نے دین کا علم نہیں سیکھا۔عوامِ مسلمین دین کے علم کے معاملے میں کمزور سہی، لیکن دین اسلام پر ان کا اعتقاد پختہ اور مضبوط ہوتا ہے۔اعتقاد کی پختگی ہی تصلّب فی الدین اور یقین کامل کا سبب ہے۔عوام کے اعتقاد کا مذاق اور ہنسی اُڑاتے ہوئے تھانوی صاحب نے عوام کے اعتقاد کو گدھے کے عضو تناسل (**Penis = लिंग**) سے مماثلت و مشابہت دی ہے :۔

”عوام کا اعتقاد ہے ہی کیا چیز، ہمارے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس اعتقاد کی ایک مثال بیان فرمایا کرتے تھے، ہے تو فحش مگر ہے بالکل چسپاں، فرمایا کرتے تھے کہ عوام کے عقیدہ کی بالکل ایسی حالت ہے کہ جیسے گدھے کا عضو مخصوص، بڑھے تو بڑھتا ہی چلا جائے اور غائب ہو تو بالکل پتہ ہی نہیں۔ واقعی عجیب مثال ہے۔“

حوالہ :

(۱) **”الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ“** (ملفوظات حکیم الامت)، از: مولوی اشرف علی تھانوی، جلد دوم، قسط دوم، مسلسل ترتیب کی **قسط نمبر: ۷، ملفوظ نمبر: ۳۴۴**، اوپر کا **صفحہ نمبر: ۱۹۱**، نیچے کا **صفحہ نمبر: ۷۹**، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند، یوپی، سن طباعت: ۱۹۸۸ء۔۱۴۰۸ھ۔

(۲) **”الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ“** (ملفوظات حکیم الامت)، از: مولوی اشرف علی تھانوی، **جلد دوم**، حصہ سوم، **ملفوظ نمبر: ۴۰۸**، **صفحہ نمبر: ۲۹۲**، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند، ضلع: سہارنپور، یوپی، سن طباعت: دسمبر ۱۹۹۹ء۔

(۳) **”حسن العزیز“**، از: مولوی اشرف علی تھانوی، **جلد سوم**، حصہ سوم، **قسط نمبر: ۱۴**، اوپر کا **صفحہ نمبر: ۲۶**، نیچے کا **صفحہ نمبر: ۵۰۶**، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفرنگر، یوپی۔

(۴) **”ملفوظات حکیم الامت“ جلد: ۱۹**، میں شامل کتاب **”حسن العزیز“**، **جلد سوم، صفحہ نمبر: ۳۱۸**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء۔

عوام المسلمین جن کا پختہ عقیدہ ہی انہیں اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے اور عوام کا عقیدہ یعنی ایمان ہی اس کے لیے سب کچھ ہے۔ عوام کا دین اسلام کو دل کی گہرائی سے ماننا بلکہ دین اسلام کے لیے اپنا تن، من، دھن بلکہ سب کچھ قربان کر دینا، صرف اور صرف اُن کے عقیدہ کی وجہ سے ہے۔ عوام کا عقیدہ ہی ان کے ایمان کا سبب اور ضامن ہے۔ دین اسلام کے متبعین دو (۲) طبقے میں منقسم ہیں (۱) خواص اور (۲) عوام۔ خواص سے مراد علماء، صوفیاء اور دیگر راہنما و پیشوایان دین۔ خواص مسلمین کی تعداد عوام مسلمین کے مقابل بہت کم ہے۔ بلکہ آٹے میں **نمک کے برابر** کی طرح ہے۔ اکثریت تو عوام کی ہی ہے اور ان کی تعداد شمار میں لانا محال ہے۔ اتنے سارے، بیشمار مسلمانوں کے عقیدہ کو **تھانوی صاحب گدھے کے عضو تناسل سے مثال دے رہے ہیں**۔ اور اپنی یہ چھچھوری بات کو معتبر و معتمد و مستند ثابت کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولوی یعقوب نانوتوی صاحب کا حوالہ دے رہے ہیں۔ یہ وہی مولوی یعقوب نانوتوی صاحب ہیں، جنہوں نے رنڈی کا دھندا چالو کرنے کے لیے تعویذ دیا تھا۔ جس کی تفصیلی گفتگو ہم اگلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

تھانوی صاحب نے عوام المسلمین کے اعتقاد کے لیے جو رزیل و سفلہ مثال دی ہے، اس مثال کو مولوی یعقوب نانوتوی سے منسوب کیا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ مولوی یعقوب صاحب نے یہ مثال دی ہے یا نہیں؟ ہوسکتا ہے کہ ایسی رزیل اور گندی مثال دینے میں اپنے سر سے بوجھ ٹالنے کی فاسد غرض سے تھانوی صاحب نے کذب اور دروغ گوئی کا دامن تھام کر **ٹھنڈے پہر کی گپ ماری** ہو۔ اور اگر تھانوی صاحب نے

گپ نہیں ماری اور واقعی یہ گندی اور فحش مثال مولوی یعقوب صاحب نے دی ہے تو کیا مولوی یعقوب کے کہنے سے یہ نامعقول بات مناسب ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ معاملہ سنگین طور سے اُلجھ گیا۔ کیونکہ تھانوی صاحب نے ایسی گندی مثال پر ہونے والی گرفت سے بچنے کے لیے مولوی یعقوب نانوتوی صاحب کو ڈھال بنایا۔ لیکن وہ ڈھال چمڑے کی تھی **اور ایک ہی ضرب میں پھٹ گئی**۔

تھانوی صاحب اپنے ساتھ مولوی یعقوب کو بھی لے ڈوبے۔ عوام کے لیے فحش مثال دینے میں مولوی یعقوب نانوتوی کا حوالہ دینا، مولوی یعقوب نانوتوی کو تو مجرم قرار دیتا ہے لیکن تھانوی صاحب نے اپنے آپ کو بھی **شکنجے میں کھینچا** ہے۔ کیونکہ اگر بقول تھانوی صاحب مان بھی لیا جائے کہ یہ مثال مولوی یعقوب نانوتوی نے دی ہے۔ تو ایسی گندی مثال تھانوی صاحب کو دینے کی کیا ضرورت پڑی؟ علاوہ ازیں تھانوی صاحب بھی ایسی گندی مثال کو مناسب سمجھ کر روا رکھتے ہیں اور اس مثال کے مناسب ہونے کے ثبوت میں مولوی یعقوب نانوتوی کا حوالہ دے رہے ہیں اور **اپنے کو سانپ کے نیچے کا بچھو** ثابت کر رہے ہیں۔

المختصر! تھانوی صاحب نے بیشمار عوام المسلمین کے ایمان کا مذاق اڑاتے ہوئے **عوام کے اعتقاد کو گدھے کے عضو تناسل سے مثال دے کر** اپنی فاسد ذہنیت اور فحش تخیلات کا مظاہرہ کر کے اپنی اصلیت بتائی ہے۔ تھانوی صاحب کو شہوت فاسدہ (Sex Mania) کی مذموم و قبیح لت اور ہر بات میں فحشیات تکلم کی خوئے بد اور خصلت شرمناک کی گت ایسی لگی تھی کہ **ان کی مَت ماری گئی تھی**۔ لہذا وہ اپنی محفل میں ایسی غیر مہذب باتیں کہہ کر **غیر کی بدشگونی کے واسطے اپنی ناک کٹواتے** تھے۔

”آ-مادہ-نرآ گیا“

ایسی روزمرّہ کی سیدھی سادی اور عام بول چال کی باتیں کہ جن کو جنسی تعلقات سے براہ راست یا بالواسطہ کوئی نسبت نہیں ہوتی، ایسی باتوں میں بھی تھانوی صاحب جنسیات کا پہلوڈھونڈ نکالتے تھے۔مثلاً:۔

ایک مولوی صاحب تین بجے والی گاڑی سے حاضر ہوئے، حضرت والا کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ ایک مناظرہ کے سلسلہ میں دہلی جانا ہوا تھا، وہاں سے واپس آرہا ہوں، دریافت فرمایا کہ کیا مناظرہ آریوں سے تھا؟ عرض کیا کہ غیر مقلدوں سے، پوچھا پھر کیا ہوا؟ عرض کیا کہ وہ آمادہ ہی نہیں ہوئے، مزاحاً فرمایا کہ آپ کو اعلان کردینا تھا کہ آ۔مادہ، نرآ گیا۔

حوالہ :

(۱) **”الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ“** (ملفوظات حکیم الامت)، از: مولوی اشرف علی تھانوی، جلد دوم، قسط پنجم، مسلسل ترتیب کی قسط نمبر:۱۰، ملفوظ نمبر:۸۲۶، اوپر کا صفحہ نمبر:۴۷۰، نیچے کا صفحہ نمبر:۲۲، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند، یوپی، سن طباعت: ۱۹۸۸ء۔۱۴۰۸ھ۔

(۲) **”الافاضات الیومیہ من الافاضات القومیہ“** (ملفوظات حکیم الامت)، از: مولوی اشرف علی تھانوی، جلد دوم، حصہ چہارم، ملفوظ نمبر:۳۳۴، صفحہ نمبر: ۲۶۵، ناشر: مکتبۂ دانش، دیوبند، ضلع: سہارنپور، یوپی، سن طباعت: دسمبر ۱۹۹۹ء

سیدھی سادی گفتگو تھی۔ دہلی سے رات میں آنے والے مولوی صاحب نے تھانوی صاحب کو اطلاع دی کہ غیر مقلد حضرات مناظرہ کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ مولوی صاحب کا جملہ **”آمادہ نہیں ہوئے“** یعنی تیار، مستعد نہیں ہوئے، اس جملہ میں جنسیات (Sex) کی کسی واردات کا تذکرہ نہیں تھا۔ عام بول چال کی اصطلاح پر مشتمل جملہ تھا۔لیکن تھانوی صاحب جن کا نام........ ان کو تو ہر بات میں **جنسیات کا پہلو کھوج نکالنے کی عادت بلکہ دھن لگی ہوئی تھی**، اس جملہ میں بھی اپنا مرغوب و مطلوب عنوان کا پہلو نکال ہی لیا۔ جملہ کا پہلا لفظ **”آمادہ“** بمعنی تیار ہونا کو دو حصوں میں کردیا۔ **”آ“** بمعنی آجا۔اور **”مادہ“** بمعنی عورت۔یعنی ”اے عورت آجا“۔ کیوں آجائے؟ اس لیے کہ **”نرآ گیا“** یعنی مرد آ گیا۔یعنی اے عورت ذات! اِدھر اُدھر ملتفت نہ ہو۔ میری طرف متوجہ ہو۔ تیرے دل کے ارمان پورا کرنے والا **”نرآ گیا“** ہے۔لہذا آجا۔آجا۔

علاوہ ازیں ایسے فحش جملہ کیلئے تھانوی صاحب نے دہلی سے آنے والے مولوی صاحب سے کہا کہ **”آپ کو اعلان کردینا تھا“** یعنی ڈھنڈھورا پیٹنا تھا کہ **”آ۔مادہ، نرآ گیا“**۔یعنی شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر اعلانیہ طور پر بے شرمی اور بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دینا تھا کہ اے نر کی متوالی مادہ۔ تیرا نر آ گیا ہے، تیرے ارمان پورے کرنے والا بانکا اور رنگیلا مرد آ گیا ہے۔لہذا آجا۔سما جا۔

تھانوی صاحب کی فطرت ہی ایسی تھی کہ وہ ہر بات اور ہر معاملے میں **”دماغ سے نئی اترنا“** والے محاورہ پر عمل کرتے ہوئے جنسیات (Sex) سے منسلک فحش مثال کا **”پہلو ڈھونڈ نکالتے“** تھے۔تھانوی صاحب کی محفل میں فحشیات پر مشتمل گفتگو میں کسی قسم

کی شرم و حیا، تذبذب، ہچکچاہٹ یا تامّل نہیں برتا جاتا تھا۔ تھانوی صاحب نے اس حقیقت کا اقرار کیا ہے۔ حوالہ پیش خدمت ہے:۔

ہنسی مذاق بلکہ فحش باتوں سے بھی نفرت نہیں

فرمایا کہ مجھے خدا جانتا ہے، ذرا سی بات بھی فضول ہو تو اس سے نہایت انقباض ہوتا ہے، بلکہ ہنسی مذاق یہاں تک کہ فحش تک سے بھی چاہے وہ عقلاً منکر ہو لیکن اس سے انقباض نہیں ہوتا، اور پھر سب فضول باتوں میں بھی اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ان فضولیات میں جن کو کہنے والا خود بھی سمجھے کہ یہ فضولیات ہیں۔

حوالہ :

(۱) **''کمالات اشرفیہ''** (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفرنگر (یوپی)، سن طباعت: ۱۹۹۵ھ، باب دوم، ملفوظ نمبر: ۱۸۶، صفحہ نمبر: ۳۷۹

(۲) **''کمالات اشرفیہ''** (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، ناشر: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفرنگر (یوپی)، سن طباعت: ۱۴۲۷ھ، باب دوم، ملفوظ نمبر: ۱۸۶، صفحہ نمبر: ۴۲۹

(۳) **''کمالات اشرفیہ''** (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، ناشر: مکتبہ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، باب دوم، ملفوظ نمبر: ۱۸۱، صفحہ نمبر: ۴۹۹

مندرجہ بالا عبارت کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے عبارت میں وارد **''انقباض''** لفظ کو اچھی طرح سمجھیں۔ **''انقباض''** لفظ عربی ہے۔ **فیروز اللغات** صفحہ: ۱۳۱ پر اس لفظ کے معنی **سکڑنا، رکنا، گرفتگی، قبض،** اور **بستگی** لکھے ہوئے ہیں۔

انگریزی۔ اردو، اردو۔ انگریزی ڈکشنری، از:۔ ڈاکٹر عبدالحق، ناشر:۔ اسٹار پبلیکیشن پرائیوٹ لمیٹیڈ، دہلی اور **Gala's Supreme Combined Dictionary** میں اس لفظ کے معنی مختلف پہلو سے وارد ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ:

- **انقباض۔** تنگی، توقف، تامّل، ہچکچاہٹ، تشویش، شرم، حیا کے معنی اردو زبان میں ہوتے ہیں۔ انگریزی میں ⊙ **Contraction** ⊙ **Shyness** اور ⊙ **Hesitation** ہوتے ہیں۔
- **انقباض** لفظ عام طور سے **''بستگی''** کے معنی میں مروج ہے۔ بستگی یعنی **طبیعت کا بیزار ہونا اور تفریح نہ ہو** (حوالہ:۔ فیروز اللغات، صفحہ: ۲۰۳) اور لفظ **''تفریح''** کے معنی خوش طبعی، دل لگی، تازگی، فرحت، وغیرہ ہیں۔ (حوالہ:۔ فیروز اللغات، صفحہ: ۳۶۷)

الحاصل ....

لفظ **''انقباض''** کے معنی ⊙ **طبیعت کا بیزار ہونا** ⊙ شرم و حیا ⊙ تامل ⊙ تشویش یعنی پریشانی ⊙ ہچکچاہٹ ہوئے۔

تھانوی صاحب نے کہا کہ ''**ذراسی بات بھی فضول ہو،اس سے نہایت انقباض ہوتا ہے۔ بلکہ ہنسی مذاق یہاں تک کہ فحش تک سے بھی چاہے، وہ عقلاً منکر ہو،لیکن اس سے انقباض نہیں ہوتا**'' یعنی تھانوی صاحب کے سامنے اگر کوئی فضول بات کرتا ہے،تو تھانوی صاحب کی طبیعت بیزار ہوجاتی ہے اور پریشانی لاحق ہوتی ہے۔''فضول بات'' یعنی ایسی بات جو فضول ہو۔''فضول'' کے معنی لغت میں ⊙ زیادہ ⊙ بے فائدہ ⊙ بیکار ⊙ فالتو ⊙ نکمّا وغیرہ ہیں۔ (فیروز اللغات ،صفحہ:۹۳۳) یعنی تھانوی صاحب زیادہ بک بک ، بے فائدہ ، بیکار ، فالتو ، اور نکمّی بات سے پریشان ہوجاتے تھے اور ان کی طبیعت بیزار ہوجاتی تھی۔لیکن ہنسی مذاق کی بات یہاں تک کہ فحش (Vulgar/अश्लील) باتوں سے ان کی طبیعت بیزار نہیں ہوتی تھی۔یعنی ناراض نہیں ہوتے تھے۔اور فحش بات بھی ایسی کہ جس کو عقل و دانش گوارا نہ کرے اور روا نہ رکھے، ایسی گھٹیا قسم کی فحش باتوں سے تھانوی صاحب ناراض نہیں ہوتے تھے۔

فضول اور فحش باتوں کا تھانوی صاحب پر جو مختلف اثر پڑتا تھا، وہ اچھی طرح ذہن نشین کرنے کیلئے ایک مثال پیش خدمت ہے:۔

دو شخص تھانوی کی خدمت میں آئے ، پہلے شخص نے کہا کہ میں آپ کے پاس آنے کیلئے ریلوے اسٹیشن گیا۔ٹکٹ خریدا۔ٹرین پر سوار ہوا۔ٹرین پہلے آہستہ آہستہ چلی، پھر تیز رفتاری سے چلی، ایک گاؤں آیا۔اسٹیشن (Station) پر ٹرین ٹھہری۔تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد پھر چلی ، پہلے آہستہ آہستہ، پھر تیز رفتار سے چلی۔ پھر ایک گاؤں آیا۔ ٹرین اسٹیشن پر ٹھہری۔ کچھ مسافر ٹرین سے اترے اور کچھ مسافر ٹرین پر سوار ہوئے۔

تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد پھر ٹرین چلی۔سیٹی بجی اور چلی۔ پہلے آہستہ آہستہ چلی۔ پھر اس نے اپنی رفتار تیز کردی اور تیز رفتاری سے چلنے لگی۔ پھر ایک گاؤں آیا ....

دوسرے شخص نے کہا کہ میں آپ کے پاس ٹرین کے فسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں بیٹھ کر آیا۔میری سامنے والی نشست (Birth) پر ایک نوجوان حسین لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔میری طرف دیکھ کر مسکرائی۔میں بھی مسکرایا۔پھر اس نے مجھے آنکھ ماری۔میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔کمپارٹمنٹ کی کیبن (Cabin) میں صرف ہم دونوں ہی تھے۔وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور میرے پہلو میں آکر بیٹھ گئی۔میں نے اسے اپنی باہوں میں سمالیا اور پھر .... (توبہ توبہ والا معاملہ)۔

ان دونوں میں سے پہلے شخص نے فضول بات کہی اور دوسرے نے فحش بات کہی۔ پہلے شخص کی بات سے تھانوی صاحب بیزار، پریشان اور ناراض ہوں گے لیکن دوسرے شخص کی بات سے تھانوی صاحب کو کسی قسم کی بیزاری، پریشانی یا ناراضگی نہیں ہوگی۔ کیونکہ دوسرے شخص نے فحش بات کہی تھی اور فحش بات سننا اور فحش کہنا تھانوی صاحب کی مرغوب طبع تھی اور تھانوی صاحب کو فحش باتوں سے حظ اُٹھانے کی خصلت پڑی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ تعلیم اور تعلّم یعنی علم دین سیکھنے اور سکھانے کے معزز، باوقعت اور مقدس معاملے کو بھی مرد اور عورت کا صحبت کرنے کے فعل سے مشابہت کی مثال دے کر اپنی فاسد فحش گوئی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔اگر دنیا بھر کے فحش گو کی فحش گوئی کے ماہر ہونے کا مقابلہ (Competition of Vulgar Tell) رکھا جائے،تو شاید تھانوی صاحب اس میدان کے ہیرو ثابت ہوکر اول نمبر آنے کا تمغا (Medal) حاصل کرلیں

۔علم پڑھنے اور پڑھانے کے تعلق سے تھانوی صاحب کی قابل صد نفریں فحش مثال ملاحظہ فرمائیں:۔

''بے دلی سے تعلیم کرنا مثل بلاشہوت صحبت کرنا''

''فرمایا کہ جس طرح جو صحبت بدون زوجین کے شہوت کے ہو، اس سے نسل نہیں چلتی، عورت مرد دونوں کو شہوت ہونی چاہیے۔ چنانچہ توافق انزال شرط ہے حمل قرار پانے کے لیے۔ اسی طرح بے دلی سے تعلیم کرنا بالکل ایسا ہے جیسے بلاشہوت صحبت کرنا۔''

حوالہ :

(۱) ''کمالات اشرفیہ'' (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفرنگر (یوپی)، سن طباعت: ۱۹۹۵ھ، باب اول، ملفوظ نمبر: ۹۲۸، صفحہ نمبر: ۲۳۲

(۲) ''کمالات اشرفیہ'' (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفرنگر (یوپی)، سن طباعت: ۱۴۲۷ھ، باب اول، ملفوظ نمبر: ۹۲۸، صفحہ نمبر: ۲۶۹

(۳) ''کمالات اشرفیہ'' (مولوی اشرف علی تھانوی کے ملفوظات کا مجموعہ)، مرتب: مولوی محمد عیسیٰ الہٰ آبادی، ناشر: مکتبہ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، باب اول، ملفوظ نمبر: ۹۲۸، صفحہ نمبر: ۳۱۵

مندرجہ بالا عبارت میں تھانوی صاحب نے پہلے یہ بتایا کہ مرد اور عورت جب ہمبستری یعنی جماع (Intercourse/संभोग) کریں، تب دونوں کو شہوت ہونی چاہیے اور مجامعت کی جب آخری منزل پر پہونچیں یعنی جب **''انزال''** یعنی منی خارج ہوتے وقت (Discharge of Semen) مرد اور عورت دونوں کا انزال ایک ہی ساتھ یعنی ایک ہی وقت ہونا چاہیے۔ تاکہ حمل (Foetus/गर्भ) قرار پاسکے۔ اور اگر انزال کے وقت مرد اور عورت دونوں کی منی بروقت خارج نہ ہوئی تو حمل نہیں ٹھہرے گا۔ اسی کو تھانوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ **''چنانچہ توافق انزال شرط ہے، حمل قرار پانے کے لیے''** یعنی حمل قرار پانے (Pregnancy/गर्भावस्था) کے لیے **''توافق انزال''** یعنی مرد اور عورت کا منی خارج کرتے وقت ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہونا یعنی دونوں میں یہ سمجھ ہونا ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی مطابقت اور موافقت (Concord) میں ہی **''انزال''** ہونے دیں۔ جنسی تعلقات کے ماہر (Sexologist) کی حیثیت سے تھانوی صاحب **''توافق انزال''** کا نظریہ پیش کرنے کے بعد اب اپنی فطرت اور اصلیت دکھاتے ہوئے توافق انزال کی جنسیات (Sex) سے تعلق رکھنے والی بات کو استاد اور شاگرد کے درمیان تعلیم کے معاملے پر چسپاں کر رہے ہیں اور یہ مثال دیتے ہیں کہ اگر مرد اور عورت شہوت کے بغیر صحبت یعنی ہمبستری کریں اور ہمبستری کے فعل کی انتہا اور آخری منزل یعنی انزال کے وقت ایک ساتھ اور ایک ہی وقت منی چھوڑنے کے بجائے آگے پیچھے منی خارج کریں، تو فائدہ نہ ہوگا یعنی اولاد نہ ہوگی، اسی طرح استاد اور شاگرد پڑھائی کے وقت بے دلی سے پڑھیں اور پڑھائیں گے، تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بقول

تھانوی صاحب ''اسی طرح بے دلی سے **تعلیم کرنا بالکل ایسا ہے جیسے بلا شہوت صحبت کرنا۔''** تعلیم جیسے پاکیزہ شغل کو شہوت کے ساتھ ہمبستری کرنے سے تشبیہ اور مماثلت دے کر تھانوی صاحب علم اور تعلیم کی توہین اور تذلیل کر رہے ہیں۔

سفر کے سامان کو اسقاط حمل (Abortion)

تھانوی صاحب کی قوت متخیّلہ اور قوت متصوّرہ یعنی سوچنے کی قوت فحشیات کے زنگ سے آلودہ اور بوسیدہ ہو چکی تھی۔ ہر بات اور ہر معاملے میں وہ فحش مثالیں دیتے تھے۔ بلکہ جہاں فحش کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا، وہاں بھی تھانوی صاحب کھینچ تان کے بھی فحش مثال چسپاں کر دیتے تھے۔ حوالہ پیش خدمت ہے:۔

''حضرت والا نے ریل میں منزل قرآن اور منزل مناجات مقبول ختم کی اور خُدّام اپنے معمولات سے فارغ ہوئے، تو ادھر ادھر کی باتیں خوش طبعی کے ساتھ ہوتی رہیں۔ گیارہ ۱۱/ بجے کے قریب خدام نے اسباب تیار کرنے کا ارادہ کیا۔ خواجہ صاحب کا بستر بہت لمبا چوڑا اور بہت روئی دار اور موٹا تھا۔ اسکا نام حضرت والا نے خواجہ صاحب کا جہاز رکھا تھا۔ خواجہ صاحب نے بمشکل اس کو بستر بند سے باندھا۔ پھر بھی بندش اس کی سیدھی نہ ہوئی۔ تو حضرت والا فرماتے ہیں: دیکھئے خواجہ صاحب کے بستر کی بندش

ہی بتلا رہی ہے کہ خواجہ صاحب چشتی ہیں۔ جب بستر اٹھانے لگے تو اس میں سے گھڑی نکل پڑی، تو خواجہ صاحب حضرت کے اس لفظ کو یاد کر کے بہت ہنسے کہ سارے ہی کام بے ڈھنگے ہیں، بمشکل تو اس گٹھری کو بستر کے اندر باندھ پایا تھا اور یہ سوچا تھا کہ ریل سے تو کسی طرح اتر جائے، پھر اسٹیشن پر باندھ جوڑ لیں گے۔ مگر یہ یہیں نکل پڑی، تو حضرت فرماتے ہیں: یہ اسقاط قبل از وقت ہوا۔''

حوالہ :

(۱) ''**حسن العزیز**''، از: مولوی اشرف علی تھانوی، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یوپی)، جلد چہارم، حصہ دوم، قسط: ۱۰، اوپر کے صفحہ نمبر: ۲۵۵، نیچے کے صفحہ نمبر: ۳۱

(۲) ''**ملفوظات حکیم الامت**'' **جلد: ۲۰، میں شامل کتاب ''حسن العزیز''**، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء، جلد چہارم، صفحہ نمبر: ۲۰۲

مندرجہ بالا واقعہ میں جس **''خواجہ صاحب''** کا ذکر ہے۔ اس سے مراد تھانوی صاحب کے خاص خلیفہ اور عاشق **خواجہ عزیز الحسن غوری** ہے۔ جنھوں نے تھانوی صاحب کے حالات زندگی **''اشرف السوانح''** نام کی کتاب کی تین جلدوں میں قلمبند کیے ہیں۔ علاوہ ازیں تھانوی صاحب کے **ملفوظات کا مجموعہ ''حسن العزیز''** چار جلدوں میں، یہ بھی انھیں کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ یہ وہی خواجہ عزیز الحسن ہیں، جو تھانوی صاحب

کے مرید ہونے کے باوجود اور ایک مرد ہونے کے باوجود بھی ’’**زوجۂ تھانوی**‘‘ یعنی Miss'es Thanvi بننے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ تھانوی صاحب وہی خواجہ صاحب اور دیگر خدام کے ساتھ ٹرین کا سفر کر رہے تھے۔ جب اترنے کا اسٹیشن (Station) آنے لگا، تو اسٹیشن آنے سے پہلے خواجہ عزیز الحسن اور دیگر خدام اسباب باندھ کر تیار کرنے لگے۔ خواجہ عزیز الحسن نے بھی اپنا بستر سمیٹا اور بستر بند سے باندھا۔ جب اسٹیشن آیا اور سب ٹرین سے مع اسباب اترنے لگے، تو خواجہ عزیز الحسن کے بستر سے ایک گھٹھری نیچے گر گئی۔

بستر سے گٹھری کا گر جانا ایک اتفاقیہ اور معمولی بات تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مسافروں کے سامان سے کوئی نہ کوئی چیز گر جاتی ہے اور بعد میں وہی چیز مسافر اٹھا لیتے ہیں۔ ایک معمولی سا اور روز مرہ وقوع پذیر ہونے والا حادثہ (Incidence) تھا۔ لیکن تھانوی صاحب کی فحش رَس نگاہوں میں فحشیات کے جلوے نمودار ہوئے۔ گٹھڑی کا بستر سے گر جانا تھانوی صاحب کو ایسا محسوس ہوا کہ گویا عورت کے پیٹ سے حمل گر گیا۔ لہذا تھانوی صاحب نے کہا کہ ’’**یہ اسقاط قبل از وقت ہوا**‘‘ یعنی ولادت کے وقت سے پہلے اسقاط (Miscarriage) ہو گیا۔

’’**مطالعۂ بریلویت**‘‘ جیسی رسوائے زمانہ کتاب کے افترا پرور اور دروغ گو مصنف **پروفیسر خالد محمود مانچسٹری** صاحب سے صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ مستقبل میں اگر خامہ فرسائی کرنے کا **دماغ بہکے**، تو تھانوی صاحب کی سوانح حیات اور ملفوظات پر مشتمل

کثیر تعداد میں جو فٹ پاتھ چھاپ اور ہلکی معیار کی فحشیات سے بھرپور کتابیں ہیں، ان میں سے خالص سیکس (Sex) پر مبنی عبارت چھانٹ چھانٹ کر ان پر تبصرہ کریں۔ تاکہ آپ کو بھی یقین ہو جائے آپ کے حکیم الامت تھانوی صاحب جنسیاتی فحش گفتگو کرنے میں اور امثال دینے میں فٹ پاتھ کے موالی کو بھی اپنے سامنے زانوئے ادب طے کرنے پر مجبور کر دینے کی صلاحیت کے حامل تھے۔

حیرت تو تھانوی صاحب کی محفل میں بیٹھ کر ان کے ملفوظات منضبط اور قلمبند کرنے والے چمچوں پر اور اس سے بھی زیادہ حیرت ان ناشرین پر ہے، جو تھانوی صاحب کے لچر، پوچ، پھوہر، لغو، مہمل، واہیات، بیہودہ، بے تکے، بے معنی، بے ربط، بیوقوفانہ اور احمقانہ ملفوظات کو شائع کر کے نشر و اشاعت کی ناشائستہ اور بے ڈول سعی و ارتکاب کرتے ہیں۔ اگر تھانوی صاحب کے فحشیات پر مبنی ملفوظات کی کتاب کسی اسلام دشمن عناصر کے ہاتھ لگ گئی، تو اسے اسلام اور پیشوایان اسلام کے خلاف **زہر اگلنے** کے لیے کافی مواد فراہم ہوگا اور وہ تھانوی صاحب کے ملفوظات پر مشتمل کتب کو ثبوت کامل (Conclusive Proof) کے طور پر پیش کر کے ملت اسلامیہ کے پارسا اور صالح رہبران دین کے پاک دامن کو اعتراضات، الزامات اور اتہامات کے کیچڑ سے داغدار کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑے گا۔

زنا کرنے کا آلہ کاٹنا واجب نہیں

بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دینا اور تزکیۂ نفس یعنی نفس کو پاک کرنے کے معاملات کے تعلق سے پوچھے جانے والے دینی سوال کے جواب میں بھی تھانوی صاحب فحشیات پر مبنی شرمناک مثال دیتے تھے۔ جس کو سن کر سننے والا شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ ذیل میں درج عبارت اس حقیقت کی شاہد عادل ہے۔

ایک طالب نے بذریعۂ عریضۂ فارسی بغرض حفاظت بندوق رکھنے کی اجازت طلب کی، حضرت والا نے استفسار فرمایا کہ ''در اجازت گرفتن از من چہ مصلحت ست؟''، انہوں نے لکھا کہ قبل ازیں مریض کبر و زیر علاج حضرت بودم بندوق آلۂ کبر ہم معلوم میشود۔ اس پر یہ جواب تحریر فرمایا: **''مگر آلہ مستلزم فعل نیست، چنانچہ آلۂ زنا نزد ہر کس ہست و قطعش واجب نیست''**

حوالہ:

(۱) **''اشرف السوانح''**، از: خواجہ عزیز الحسن غوری، از اکابر خلفاء تھانوی صاحب، ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع: مظفر نگر (یوپی)، طباعت بار چہارم رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ، جلد سوم، صفحہ نمبر: ۲۵۷، شذرہ نمبر: ۵

(۲) **''اشرف السوانح''**، از: خواجہ عزیز الحسن غوری، از اکابر خلفاء تھانوی صاحب، ناشر: مکتبۂ تھانوی، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، سن طباعت (جدید ایڈیشن) ۲۰۰۹ء، جلد سوم، صفحہ نمبر: ۳۵۶، شذرہ نمبر: ۵

نوٹ:۔ مندرجہ بالا عبارت اردو اور فارسی دو زبانوں (Languages) میں مخلوط ہے۔ آدھی عبارت اردو میں ہے اور آدھی عبارت فارسی میں ہے۔ قارئین کی آسانی کیلئے ذیل میں مندرجہ بالا عبارت کا اردو میں ترجمہ پیش ہے:۔

''ایک طالب علم نے فارسی زبان میں عرضی لکھ کر حفاظت کی غرض سے بندوق رکھنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت والا نے استفسار یعنی دریافت فرمایا کہ اجازت لینے میں کیا مصلحت ہے؟ انہوں نے لکھا کہ اس سے پہلے میں کبر یعنی تکبر اور گھمنڈ کا مریض تھا اور حضرت یعنی آپ ہی کے زیر علاج تھا۔ بندوق تکبر کا آلہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر یہ جواب تحریر فرمایا کہ آلہ یعنی ہتھیار کے رکھنے سے اپنے اوپر کوئی کام کرنا لازم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ زنا کرنے کا آلہ ہر شخص کے پاس ہے اور اسے کاٹ دینا واجب نہیں۔''

تھانوی صاحب کو ایک طالب علم نے خط لکھا اور یہ گذارش کی کہ مجھے حفاظت کیلئے بندوق رکھنے کی اجازت عنایت فرمائیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ طالب علم امیر گھرانے کا ہو اور جس گاؤں میں رہتا ہو، وہاں چور اور ڈاکو کا خوف و ڈر (Terror) ہو، لہذا اپنی،

اپنے خاندان کے افراد اور اپنے مال واسباب کی حفاظت کیلئے بندوق کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔لہذا اس نے تھانوی صاحب سے بندوق رکھنے کی اجازت طلب کی۔ تھانوی صاحب نے اس طالب علم کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ بندوق رکھنے کی مجھ سے اجازت لینے میں تمہاری کیا مصلحت ہے؟ یعنی تم مجھ سے بندوق رکھنے کی اجازت کیوں مانگتے ہو؟ اجازت لینے میں تمہاری کیا حکمت یعنی کیا مطلب ہے؟ تھانوی صاحب کے دریافت کرنے پر اس طالب علم نے لکھا کہ آج سے پہلے یعنی کچھ عرصہ پہلے مجھ میں کبر کا مرض تھا۔یعنی تکبر، غرور، گھمنڈ، ابھیمان وغیرہ جیسے برے اخلاق تھے اور میں غرور و تکبر (**Proud**) رکھنے والا شخص تھا۔اور میرے تکبر وغرور کا علاج آپ نے فرمایا ہے۔لہذا بندوق رکھنے کی وجہ سے پھر دوبارہ کہیں میرے **دماغ کو گرمی چڑھ** نہ جائے اور میرا گھمنڈ اور غرور کا پرانا مرض کہیں عود کر لوٹ نہ آئے۔

اجازت طلب کرنے والا طالب علم تکبر، غرور، گھمنڈ وغیرہ اخلاق رزیلہ کی برائی اور خرابی سے واقفیت رکھتا ہے۔کیونکہ وہ اس برائی میں مبتلا رہ چکا ہے اور اب بڑی مشکل سے چھٹکارا حاصل ہوا ہے۔لہذا اسے خوف ہے کہ بندوق رکھنے کی وجہ سے میں دوبارہ کہیں مغرور اور گھمنڈی نہ ہو جاؤں۔ وہ طالب علم تواضع اور انکساری کے اخلاق حسنہ سے **ہاتھ دھو بیٹھ کر** دوبارہ کہیں تکبر اور غرور کے **دلدل میں پھنسنے** کی نوبت نہ آئے، اس خوف سے بندوق رکھنے کی تھانوی صاحب سے اجازت مانگ رہا ہے۔اسے معلوم ہے کہ بندوق ایک ایسا آلہ یعنی ہتھیار ہے کہ جس کے پاس بندوق ہوتی ہے، برادری اور سماج میں اس کی ناموری اور شہرت ہوتی ہے۔سماج کے عام لوگوں سے اس کی منفرد

اہمیت ہوتی ہے۔لوگ اس کے ساتھ تعظیم وتکریم وتوقیر سے پیش آتے ہیں۔اس کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ بندوق رکھنے کی وجہ سے اس کے مخالف اور دشمن اس سے خوفزدہ اور مرعوب ہوتے ہیں۔چور اور ڈاکو بھی اب اس کے مکان میں چوری یا ڈاکہ زنی کرنے سے ڈرتے ہیں۔اس کا سماج میں ایک معزز مقام (**Social Status**) بن جاتا ہے۔ان تمام وجوہات کی بنا پر ممکن ہے کہ اس کے **دماغ میں ہوا بھر جائے** اور وہ از سرنو **دماغی فتور کا شکار** ہو کر مغرور ومتکبر نہ بن جائے۔لہذا اس نے تھانوی صاحب کو صاف لفظوں میں جواب لکھا کہ **میں تکبر کا مریض رہ چکا ہوں۔آپ نے ہی علاج کیا ہے۔اور بندوق تکبر کا آلہ ہے۔**

تھانوی صاحب کے دریافت کرنے پر اس طالب علم نے مذکورہ بالا خلاصہ لکھ بھیجا۔جس کا جواب تھانوی صاحب نے یہ دیا کہ **آلہ مستلزم فعل نیست** یعنی کسی ہتھیار کے رکھنے سے اس ہتھیار سے کام لینا لازم نہیں آتا۔یعنی جب تک اس ہتھیار کا استعمال نہ کرو، تب تک ہم پر کوئی الزام نہیں آتا۔اس ہتھیار سے میں کوئی غلط اثر نہ لے بیٹھوں یا کوئی غلط کام نہ کر بیٹھوں، اس خوف اور اندیشہ سے اس ہتھیار کو نہ رکھنا یعنی فروخت کر دینا یا پھینک دینا ضروری نہیں۔ کیونکہ **"آلۂ زنا نزد ہر کس ہست"** ترجمہ:۔**"زنا کا آلہ ہر شخص کے پاس ہے"**۔یعنی ہر مرد کے پاس زنا کرنے کا آلہ یعنی زنا کرنے کا ہتھیار یعنی **عضو تناسل** (**Penis/लिंग**) موجود ہے۔زنا کرتے وقت بلکہ اسی ہتھیار سے ہی زنا کیا جاتا ہے۔اس ہتھیار کا استعمال کر کے میں زنا کا ارتکاب نہ کر بیٹھوں، اس خوف سے کیا اپنا عضو تناسل کاٹ کر پھینک دو گے؟ جب تک اس ہتھیار یعنی عضو تناسل کا غلط

استعمال کر کے زنا کا فعل مستلزم نہیں کرو گے، **''قطعش واجب نیست''** یعنی اس کا کاٹ دینا واجب نہیں۔ تھانوی صاحب نے مشورہ طلب کرنے جیسی رسمی بات چیت میں بھی فحش پہلو نکال کر سڑی ہوئی، بدسلیقہ، ناشائستہ، بعید العقل اور بعید القیاس مثال دے کر اپنی گندی ذہنیت کا ثبوت دیا ہے۔

اپنی سنت کے مزے کے لیے نکاح

سماج اور برادری میں مروج نکاح کے مراسم جو قرآن وحدیث کے مقدس ارشادات کی روشنی میں انجام پذیر ہوتے ہیں اور جو بقاءِ نسل انسانی کا سبب بھی ہیں۔ اس رسم نکاح کے لیے بھی تھانوی صاحب نے تہذیب و اخلاق سے کوسوں دور توضیح (**Comment**) اور رائے زنی کر کے **رزالے کی جورو کو سدا طلاق** والی مثل کے مصداق بنے ہیں۔

> ''فرمایا کہ عموماً یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی غرض نکالنی ہوتی ہے تو کوئی دین کی غرض بھی شامل کر لیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ایک تعویذ دے دیجیے کہ فلاں بیوہ نکاح پر راضی ہو جاوے کیونکہ بیوہ سے نکاح ثواب ہے۔ سنت ہے۔ پھر فرمایا جی ہاں سنت ہی سمجھ کر تو نکاح کرتے ہیں آپ۔ اور ہنسکر فرمایا چاہے سنت ہی کے لیے کرتے ہیں۔''

حوالہ :

(۱) **''حسن العزیز''**، از: مولوی اشرف علی تھانوی، جلد اوّل، حصہ سوم، قسط نمبر: ۱۸، ملفوظ نمبر: ۵۰۹، اوپر کے صفحہ نمبر: ۱۵۹، نیچے کے صفحہ نمبر: ۵۰۳، ناشر: مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفرنگر، یوپی

(۲) **''ملفوظات حکیم الامت'' جلد: ۱۷، میں شامل کتاب ''حسن العزیز''**، جلد اوّل، حصہ دوم، ملفوظ نمبر: ۵۰۹، صفحہ نمبر: ۱۲۲، ناشر: ادارہ اشرفیہ، دیوبند، یوپی، سن طباعت: مئی ۲۰۱۱ء

حضور اقدس **رحمت عالم و جان عالم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیوہ (**Widow/विधवा**) خواتین سے نکاح فرما کر اپنی امت کو بیوہ سے نکاح کرنے کی ترغیب فرمائی۔ بیوہ سے نکاح کرنا **سنت نبوی** یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرنا اور باعث اجر عظیم و ثواب جلیل ہے۔

تقریباً ایک سو سال پہلے بیوہ کے نکاح کو معیوب اور برا سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی بیوہ نکاحِ ثانی کرتی تھی، تو سماج اور برادری میں ہلچل مچ جاتی تھی اور نکاح کرنے والی بیوہ خاتون کو لعن طعن کرتے تھے اور **''کیا کیا کچھ کہہ کر''** برا بھلا کہہ کر بیچاری کو **دق کرتے** تھے۔ علاوہ ازیں بیوہ سے شادی کرنے والے کو بھی پریشان کرتے تھے لیکن بمقابل بیوہ عورت کے اسے کم پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مذہب سے غافل اور جاہل سماج کے عوام نکاح ثانی کرنے والی بیوہ کے خلاف الزامات اور بہتان باندھنے میں **آسمان زمین کے قلابے ملا** کر اس بیوہ کے بارے میں گھر گھر جھوٹا پروپیگنڈا (**Propagaunda**) کر کے اس پر **قیامت ڈھا دیتے** تھے۔ لہذا کوئی بیوہ نکاحِ ثانی کیلئے جلد رضامند نہیں ہوتی تھی۔ حالانکہ اس کی معاشی مجبوری اور ضروریات زندگی کی فراہمی کی دشواری کی وجہ سے نکاح ثانی کی اسے ضرورت ہوتی تھی لیکن سماج کے تنگ نظر اور متشدّد عناصر کے

ظلم وستم کے خوف سے چاہتے ہوئے بھی نکاح ثانی کے لیے تیار نہیں ہوتی تھی ۔ کچھ ہمدرد حضرات ایسی دکھی اور بے سہارا بیوگان کو رشتۂ زوجیت سے منسلک کر کے امداد وتعاون کا جذبہ رکھتے تھے اور سماج اور برادری کی مخالفت اور طعن وتشنیع کی پرواہ کیے بغیر نکاح بیوہ کی حمایت کرتے تھے اور اسے عملی جامہ بھی پہناتے تھے ۔ لیکن سماج کے خوف وڈر سے نکاح ثانی کے لیے بیوہ بڑی مشکل اور دشواری کے بعد راضی ہوتی تھی ۔

ایک شخص کسی بیوہ سے نکاح کرنا چاہتا تھا اور وہ جانتا تھا کہ بیوہ سے نکاح کرنا باعث اجر و ثواب ہے لیکن وہ بیوہ عورت سماج کے ڈر کی وجہ سے نکاح کے لیے راضی اور تیار نہیں ہوتی تھی ۔ لہذا وہ شخص تھانوی صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ **’’ایک تعویذ دے دیجیے کہ فلاں بیوہ نکاح پر راضی ہو جاوے ، کیونکہ بیوہ سے نکاح ثواب ہے ۔ سنت ہے۔‘‘** بیوہ سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھنے والا تھانوی صاحب سے صاف لفظوں میں کہہ رہا ہے کہ بیوہ سے نکاح کا میرا مقصد صرف یہی ہے کہ **’’بیوہ سے نکاح ثواب ہے، سنت ہے۔‘‘** یعنی ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیوہ کو شرفِ زوجیت سے نوازا ہے اور بیوہ سے نکاح کرنا **’’نبی کی سنت‘‘** یعنی نبی کا طریقہ اور دستور ہے، اس وجہ سے بیوہ سے نکاح کرنا سنت ہونے کی وجہ سے ثواب ہے ۔ میری غرض و غایت اس نکاح سے صرف سنت پر عمل کر کے ثواب حاصل کرنا ہے۔

بیوہ سے نکاح کرنے کا ارادہ اور قصد رکھنے والا بیوہ کے ساتھ نکاح کرنے کو سنت یعنی **’’سنت نبوی‘‘** یعنی **’’نبی کا طریقہ‘‘** کہہ کر اس کی تقدیس یعنی پاکیزگی اور صفائی پیش کر رہا ہے اور یہ کام خالص مذہبی امور کے اہتمام واحترام کے آثار واطوار سے متعلق ہے ۔ خصوصاً **’’سنت‘‘** کا لفظ ہر مومن کیلئے قابل احترام ہے کیونکہ لفظ سنت منسوب ہے **اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی کام کے کرنے سے یعنی نبی اکرم نے فلاں عمل کیا، لہذا وہ عمل سنت ہے ۔ علاوہ ازیں

پانچوں وقت کی نمازوں میں فرائض وواجبات کے علاوہ کچھ رکعتیں سنت بھی ہوتی ہیں اور سنت کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) سنت مؤکدہ اور (۲) سنت غیر مؤکدہ ۔ سنت مؤکدہ یعنی جس کی تاکید کی گئی ہو ۔ یعنی جس کے کرنے سے ثواب اور چھوڑنے سے گناہ ہوتا ہے ۔ سنت غیر مؤکدہ یعنی وہ کام جو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہو لیکن امتی کو اس کے کرنے کی تاکید نہ فرمائی ہو ۔ لہذا اس کام کے کرنے سے ثواب ضرور ہوتا ہے لیکن اسے چھوڑ دینے یعنی نہ کرنے کی صورت میں کوئی مواخذہ یا گناہ بھی نہیں ۔

الحاصل ....

سنت کام لائق بلکہ واجبِ ادب واحترام ہے ۔ اور اس کی خاص واہم وجہ یہی ہے کہ اس کام کو **حضور اقدس** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہوگئی ہے ۔ لہذا ہر عام وخاص مسلمان لفظ سنت کا ادب واحترام ملحوظ رکھتا ہے اور کبھی بھی، کہیں بھی، کسی بھی حال میں **سنت کا مذاق نہیں اڑاتا** ۔ لیکن وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے خود ساختہ اور جاہل مجدّد مولوی اشرف علی تھانوی بیوہ سے نکاح کی سنت ادا کرنے والے کے ساتھ تمسخر، ٹھٹھا اور ہنسی اڑاتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ **’’چاہے سنت ہی کے لیے کرتے ہیں ۔‘‘** یہاں لفظ سنت سے مراد مرد کا عضو تناسل (Penis/लिंग) ہے ۔

جب کسی بچہ کی ختنہ (Circumcise) ہوتی ہے، تب عام طور سے یہی کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کے بیٹے کی **’’سنت شادی‘‘** کی رسم ادا کی جارہی ہے ۔ سنت کا اطلاق مرد کے عضو تناسل پر بھی ہوتا ہے ۔ تھانوی صاحب کی دریدہ ذہنی ملاحظہ فرمائیں کہ بیوہ سے نکاح کرنے والا سنت اور ثواب کے موضوع پر خالص اسلامی قانون کی بات کہہ رہا ہے لیکن واہ رے تھانوی صاحب! اس میں بھی فحش پہلو ڈھونڈھ نکالا کہ بات تو سنت اور ثواب کی بیان کر کے بیوہ سے نکاح کر رہا ہے لیکن بیوہ سے نکاح اپنے عضو تناسل کو مزا کرانے کیلئے کر رہا ہے۔

بے حیا - بے شرم

ارادہ تو یہ تھا کہ تھانوی صاحب اور دیگر اکابر علمائے دیوبند کے ملفوظات اور سوانح حیات پر مشتمل کتابوں میں مرقوم ومطبوع فحش ،لغو، پوچ اور لچر حکایات اور ملفوظات کے حوالے ان کی ہی کتابوں سے نقل کر کے تبصرہ اور تنقید کا یہ سلسلہ جاری ہی رکھوں لیکن کتاب کی ضخامت اور حجم کا لحاظ کرتے ہوئے زیرنظر کتاب کو اختتام پذیر کرنے کی قارئین کرام سے معذرت چاہتا ہوں ۔ زیرنظر کتاب **''گستاخ رسول گروہ کے سیکسی ملا''** کو بلاتاخیر زیورطبع سے آراستہ کر کے منظرعام پر لائی جائے اور جو عنوانات باقی رہ گئے ہیں، ان کو ایک الگ اور مستقل کتاب کی شکل میں تصنیف کیا جائے ۔ لہٰذا ہماری بحث یہاں پر عارضی طور پر تکمیل کو پہنچتی ہے اور بقیہ مضامین **''بے حیا۔ بے شرم''** نام سے موسوم کتاب میں عنقریب ارقام کیے جائیں گے ۔ (انشاء اللہ وانشاء حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم)

''بے حیا۔ بے شرم'' کتاب میں حسب ذیل مضامین ہوں گے:۔

▣ تھانوی صاحب کے ماموں نے وعظ کہنے کی یہ شرط لگائی کہ **''میں بالکل ننگا ہو کر بازار سے نکلوں۔ اس طرح کہ ایک شخص تو آگے سے میرے عضو تناسل کو پکڑ کر کھینچے اور دوسرا پیچھے سے انگلی کرے، ساتھ میں لڑکوں کی فوج ہو اور وہ یہ شور مچاتے جائیں، بھڑوا ہے رے بھڑوا۔ بھڑوا ہے رے بھڑوا''** (بحوالہ:۔ الافاضات الیومیہ۔ مطبوعہ:۔ دیوبند)

▣ تھانوی صاحب کے ماموں کے پیر صاحب کے پاس رات میں رنڈیاں آتی تھیں اور رات میں رنڈیوں کا آنا پیر صاحب کے کامل ہونے کا ثبوت ٹھہرا۔

(بحوالہ:۔ الافاضات الیومیہ۔ مطبوعہ:۔ دیوبند)

▣ ایک شخص اپنی ماں سے زنا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جب میں پورا اس کے اندر تھا اور اب اگر میرا ایک عضو اس کے اندر چلا گیا، تو کیا حرج ہے؟ یہ حکایت بیان کرنے کے بعد اس

کے ضمن میں تھانوی صاحب کا خطرناک توضیح (Comment) کرنا۔

(بحوالہ:۔ الافاضات الیومیہ۔ مطبوعہ:۔ دیوبند)

▣ بقول مولوی رشید احمد گنگوہی توحید میں غرق دیوبندی پیر ضامن علی جلال آبادی سے ایک رنڈی نے کہا کہ تیرے جیسے پیر کے منہ پر پیشاب بھی نہ کروں۔

(بحوالہ:۔ تذکرۃ الرشید۔ مطبوعہ:۔ سہارنپور اور دیوبند)

▣ خدا سے طبعی محبت کی تھانوی صاحب نے فحش مثال دی۔

(بحوالہ:۔ حسن العزیز۔ مطبوعہ:۔ تھانہ بھون اور دیوبند)

▣ پیر اور مرید کے روحانی رشتہ کیلئے تھانوی صاحب نے میاں بیوی کا ہمبستری کے وقت توافق انزال اور حمل قرار پانے کی مثال دی۔ (بحوالہ:۔ اشرف السوانح۔ مطبوعہ:۔ تھانہ بھون)

▣ موٹے پیٹ والے کے موئے زیرناف کا واقعہ۔ از:۔ تھانوی صاحب۔

(بحوالہ:۔ کمالات اشرفیہ۔ مطبوعہ:۔ تھانہ بھون اور دیوبند)

▣ تھانوی صاحب کی بیان فرمودہ حکایت کہ ایک نابینا حافظ نے نکاح کیا اور رات بھر روٹی لگا لگا کر کھائی اور یہ کہا کہ ہمیں نہ تو نمکین معلوم ہوئی، نہ میٹھی، نہ کڑوی۔

(الافاضات الیومیہ کے کل آٹھ حوالے۔ مطبوعہ:۔ دیوبند)

▣ قاسم نانوتوی نے مسجد کے استنجاء خانہ کے مٹی کے لوٹے کی ٹوٹی کے لیے فحش مثال دی۔

(بحوالہ:۔ حکایات اولیاء۔ مطبوعہ:۔ دیوبند)

▣ علاوہ ازیں کثیر تعداد میں فحش ملفوظات وحکایات، لغو، لچر اور مہمل گفتگو جو تھانوی صاحب کی روزمرہ کی محفل میں ہوا کرتی تھیں، علاوہ دیگر علمائے دیوبند کی سوانح حیات پر مشتمل کتب کثیرہ میں مرقوم واقعات، حکایات، اقوال وافعال جن کو پڑھ کر سن کر نفریں کی صدا بلند ہو۔ ایسے واقعات وملفوظات ٹھوس حوالوں کے ساتھ پیش کیے جائیں گے، جن کو پڑھ کر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ **جو عقیدے کا گندہ ہوتا ہے، وہ کردار کا بھی گندہ ہوتا ہے۔**